حمد ونعت ومناجات

ہر شاخ میں ہے شِگوفہ کاری　　ثمرہٗ ہے قلم کا حمدِ باری
کرتا ہے یہ دو زَباں سے یکسر　　حمدِ حق و مِدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے　　یعنی کہ مُطیعِ پنج تن ہے
ختم اِس پہ ہوئی سخن پرستی　　کرتا ہے زباں کی پیش دستی

یا رب! مرے خامے کو زبان دے　　مِنقار ہزار داستان دے
افسانہ گُلِ بکاوَلی کا　　اَفسوں ہو بہارِ عاشقی کا
ہر چند سُنا گیا ہے اِس کو　　اردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے ، دادِ نظم دوں میں　　اُس مے کو دو آتشہ کروں میں
ہر چند اگلے جو اہل فن تھے　　سُلطانِ قلمروِ سُخن تھے
آگے ان کے فروغ پانا　　سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر ، بحرِ سُخن سدا ہے باقی　　دریا نہیں کار بند ساقی
طعنے سے زبانِ نکتہ چیں روک　　رکھ لے مری اہلِ خامہ میں نوک

خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر نیرنگِ نسیمِ باغِ کشمیر
نقطے ہوں سِپَنْدِ خوش بیانی جَدوَل ہو حصارِ سحر خوانی
جو نکتہ لکھوں ، کہیں نہ حرف آئے مرکز پہ کشِش مری پہنچ جائے

آوارہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک گل چیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن ہے یوں بُلبلِ خامہ نغمہ زن ہے
گل چیں نے وہ پھول جب اڑایا اور غنچۂ صبح کِھل کھلایا
وہ سبزۂ باغِ خوابِ آرام یعنی ، وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مُرغِ سَحر کے غُل سے اٹھی نکہت سی فرشِ گل سے
منھ دھونے جو آنکھ ملتی آئی پُرآب وہ چشمِ حوض پائی
دیکھا ، تو وہ گل ہَوا ہُوا ہے کچھ اور ہی گُل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں! کِدھر گیا گل؟ جھُنجھلائی کہ کون دے گیا جُل؟
ہے ہے! مرا پھول لے گیا کون؟ ہے ہے! مجھے خار دے گیا کون؟
ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے بو ہو کے تو پھول اڑا نہیں ہے؟
نرگس! تو دِکھا کدھر گیا گُل؟ سَوسن! تو بتا ، کدھر گیا گل؟
سنبل! مرا تازیانہ لانا شمشاد! انھیں سولی پر چڑھانا
تھرائیں خواصیں صورت بید ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید

نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سَوسَن نے زباں درازیاں کیں

پتّا بھی پتے کو جب نہ پایا
کہنے لگیں: کیا ہوا؟ خدایا!

اپنوں میں سے پھول لے گیا کون؟
بے گانہ تھا سبزے کے سوا کون؟

شبنم کے سِوا چُرانے والا
اُوپر کا تھا کون آنے والا

جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے
جس گھر میں ہوٗ گُل چراغ ہو جائے

بولی وہ بکاوَلی کہ افسوس!
غفلت سے یہ پھول پر پڑی اُوس

آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
پُتلی وہی چشمِ حوض کا تھا

نام اس کا ، صبا! نہ لیتی تھی میں
اس گل کی ہوا نہ دیتی تھی میں

گل چیں کا جو ہاتھ ہائے ٹوٹا
غنچے کے بھی منھ سے کچھ نہ پھوٹا!

اُو خار! پڑا نہ تیرا چنگل
مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل!

او بادِ صبا! ہوا نہ بتلا
خوشبو ہی سُنگھا ، پتا نہ بتلا

بلبل! تو چہک ، اگر خبر ہے
گل! تو ہی مہک ، بتا ، کدھر ہے؟

لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کُہرام
تھی سبزے سے راست موٗ براَندام

انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
تھا دم بخود ، اس کی سن کے فریاد

جو نخل تھا ، سوچ میں کھڑا تھا
جو برگ تھا ، ہاتھ مل رہا تھا

رنگ اس کا غرض لگا بدلنے
گل برگ سے کف لگی وہ ملنے

بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی
دست آویز اس کے ہاتھ آئی

خاتم تھی نام کی نشانی انسان کی دست بُرد جانی
ہاتھوں کو ملا ، کہا کہ ہَیہات! خاتم بھی بدل گیا ہے بد ذات
جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا!
عُریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے کھال اس کی جو کھینچیے سزا ہے
یہ کہہ کے ، جنون میں غضب ناک خوں روئی ، لباس کو کیا چاک
تھی بس کہ غبار سے بھری وہ آندھی سی اٹھی ، ہوا ہوئی وہ
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختے میں مثلِ باد جاتی اُس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی

بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے؟
پتّا کہیں حکم بِن ہلا ہے؟

معنی اوراشارے:

حمد	نثر یا نظم کا وہ حصہ جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف بیان ہو۔
نعت	وہ موزوں کلام جس میں حضور سرور کائناتؐ پیغمبر اسلام کے اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہوں۔
مناجات	نظم کا وہ حصہ جن میں شاعر خدا کی بارگاہ میں دعا مانگتا ہے
شگوفہ کاری	انوکھی بات کرنا، فتنہ برپا کرنا، آفت لانا
ثمرہ	نتیجہ، حاصل، عوض، پھل
باری	پیدا کرنے والا، خدائے تعالیٰ
مِدحت	تعریف، توصیف
حرف زن	بات کرنے والا
پنج تن	اصطلاحاً مراد ہیں۔ رسول اللہؐ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ
پیش دستی کرنا	پہل کرنا
خامہ	قلم
منقار	چونچ
افسوں	جادو
سخن گو	شعر کہنے والا، شاعر
مے	شراب

دوآتشہ کرنا	شراب یا عرق جو دو دفعہ آگ پر رکھ کر کھینچا گیا ہو، دوبار کھینچی ہوئی شراب یا عرق، تند، تیز، زیادہ مزیدار
قلمرو	سلطنت، حکومت
کاربند	تعمیل کرنا والا، پابند
نکتہ	نازک بات، باریک بات
تسخیر کرنا	فتح کرنا، قبضہ کرنا
سپند	کالا دانہ، نظر بد کو دور کرنے کے لیے جلانے والا ایک بیج
حصار	اِحاطہ، گھیراؤ
حصار سحر خوانی	عمل پڑھتے وقت عامل کا بلاؤں سے تحفظ کے لیے کچھ خاص افسوں یا دعائیں پڑھ کر اپنے چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ لینا
حرف آنا	الزام آنا، عیب لگنا
گل چیں	پھول توڑنے والا، مالی، باغباں، مجازاً مراد تاج الملوک
اَندام	جسم
غُل	ہنگامہ، شور
نکہت	خوشبو
گل ہوا ہونا	پھول غائب ہونا
جُل دینا	دھوکہ دینا، جھانسہ دینا
خار دینا	تکلیف پہنچانا
نرگس	ایک قسم کا پھول

سوسن	آسمانی رنگ کا ایک پھول، شاعر زبان سے تشبیہ دیتے ہیں
سنبل	ایک خوشبودار گھاس، شاعر معشوق کے زلفوں سے اس کو تشبیہ دیتے ہیں
تازیانہ	کوڑا
شمشاد	ایک لمبا خوبصورت درخت، کنایۃً خوش قامت معشوق
داغ ہونا	رنج ہونا، صدمہ ہونا
چراغ گل ہونا	خاندان کا نیست و نابود ہو جانا
صبا	نسیم، بادِ سحر
مُشکیں کسنا	مشکیں باندھنا
راست مو بر اندام	رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے
نخل	درخت
برگ	پتّا
کف ملنا	افسوس کرنا
دست آویز ہاتھ آئی	ثبوت مل گیا
خاتم	انگوٹھی
دست برد	غبن، خیانت
عریاں	ننگا

معروضی سوالات:

1۔ پنڈت دیا شنکر نسیم کہاں پیدا ہوئے؟

(i) فیض آباد (ii) لکھنو

(iii) دلی (iv) کانپور

2۔ دیا شنکر نسیم کس کے شاگرد تھے؟

(i) آتش (ii) ناسخ

(iii) مصحفی (iv) ضیاء

مختصر ترین سوالات:

1۔ پنڈت دیا شنکر نسیم کس کے بیٹے تھے؟

2۔ پنڈت دیا شنکر نسیم نے گلزار نسیم کو کتنی عمر میں تصنیف کیا؟

3۔ گلزار نسیم کس دبستان شاعری کا اہم کارنامہ ہے؟

مختصر سوالات:

1۔ گلزار نسیم کی بنیادی خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔

2۔ نسیم نے کس قصے کو گلزار نسیم میں بیان کیا ہے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ پنڈت دیا شنکر نسیم کی حالات زندگی مختصراً بیان کیجئے۔

(3)

احمد علی شوق قدوائی شوقؔ

[پیدائش 1852ء، وفات 1925ء]

نام احمد علی اور شوقؔ تخلص تھا۔ **1852**ء میں **لکھنؤ** کے مضافات میں **قصبہ جگور** میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کاظم علی قیس خود شاعر تھے۔ کم سنی میں والد کے انتقال ہو جانے پر شوق کا بچپن بڑی مصیبت میں گزرا۔ عربی، فارسی کے ساتھ ہی انگریزی کی بھی تعلیم اعزہ کی مدد سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ فیض آباد میں تحصیلدار رہے لیکن جلد ہی استعفیٰ دے کر اخبار آزاد نکالا۔ آخر عمر میں رامپور آ کر کتب خانہ سرکاری میں ملازم ہو گئے۔ علالت اور ضعیف العمری کی وجہ سے پنشن لے کر بارہ بنکی آئے 1925ء میں گونڈہ میں وفات پائی۔

شاعری میں شوق کا پہلا کارنامہ ان کی مشہور مثنوی **''ترانۂ شوق''** ہے۔ اس زمانے میں دیا شنکر نسیمؔ کی مثنوی کو قبول عام نصیب تھا۔ **ترانۂ شوق** میں اختصار، استعارات وتشبیہات، کنایہ، زبان و بیان کی نزاکت اور مافوق الفطرت عناصر کا دخل ہے۔

اگرچہ شوق کی شہرت کا دارومدار ان کی مثنویات ہیں تاہم انھوں نے عرصہ تک غزل گوئی کی اور پورا دیوان تخلیق کیا۔ ان کے کلام میں قدیم رنگ کی جھلک زیادہ ہے۔ ان کا دیوان ''فیضانِ شوق'' کے نام سے شائع ہوا۔ شوقؔ نے قومی شاعری کی طرف بھی توجہ کی۔ شوقؔ کا زمانہ 1857ء کے بعد کا زمانہ ہے جب قومی بیداری کے آثار ملک میں ظاہر ہو رہے تھے۔ مسدس حالیؔ کے انداز میں شوقؔ نے علی گڑھ کے ایک اجلاس میں اپنا مشہور مسدس ''لیل ونہار'' پڑھا۔

'عالم خیال' شوق کی بے حد مشہور مثنوی ہے۔ جس میں مناظر قدرت کو سلیس انداز، فصیح زبان اور نفیس بندشوں میں نظم کیا گیا۔ یہ مثنوی اردو میں بلند پایہ رکھتی ہے اور اسی کی بدولت شوقؔ قدوائی کا نام زندہ ہے۔

مثنوی ترانۂ شوق

خاتمہ

نیرنگ سخن دکھا چکا تو سر سجدے کو اے قلم جھکا تو
اللہ کا شکر آج ادا کر ماتھا رگڑ اور یہ التجا کر
مقبول ہو یہ فسانہ شوق ہر بزم میں جو ترانہ شوق
شاخیں نکلیں نہ اس بیاں میں پھولے پھلے گلشن جہاں میں
رکھیں رکھنے کو طعنہ زن حرف لیکن رکھیں نہ اہل فن حرف
نکلے بہ زبانِ اہل فن سے لعل اُگلے ہیں شوق نے دہن سے
رنگ اس سے نہ جم سکے کسی کا شنجرف کا رنگ ٹھہرے پھیکا
یہ رنگ شفق جو دیکھ پائے شب کی چادر میں منھ چھپائے
روئے مئے سُرخ کا پیالہ داغی ہو حسد سے قلب لالہ
گل زرد ہو پتی پتی جھڑ جائے پان خوردہ حسین کا منہ بگڑ جائے
روشن ہو یہ خوبی معانی قصّہ یوسف کا ہو کہانی
صفحوں کی چمک دکھائے یہ روپ سائے کے لباس میں چھپے دھوپ
محجوب ہو چاند منھ چھپا لے بدلی کی نقاب رخ پہ ڈالے

آنکھوں میں رہے یہ نور بن کر　　جا دل میں کرے سرور بن کر
عاشق اپنا خیال سمجھے　　معشوق اپنا جمال سمجھے
ارباب سخن کریں مری قدر　　چمکا کے بنائیں ذرّے کو بدر
میں ملک سخن میں کچھ نہیں ہوں　　ہاں کشت سخن کا خوشہ چیں ہوں
جتنی مرے سخن کی ہے دھوم　　سب ہے فیضِ اسیرؔ مرحوم

معنی اور اشارے:

نیرنگ	جادو
بزم	محفل
طعنہ زن	طعنہ مارنا
دہن	منھ
لعل	سرخ رنگ کا پتھر
زرد	پیلا
لالہ	ایک قسم کا سرخ پھول جس کے اندر سیاہ داغ ہوتا ہے
جا	جگہ، مقام، ٹھکانہ
جمال	حسن، روپ، خوبصورتی
بدر	چودھویں رات کا چاند
خوشہ چیں	دوسروں کی تخلیق سے فائدہ اٹھانے والا

معروضی سوالات:

1۔ احمد علی کس شاعر کا نام تھا؟

(i) ناسخؔ (ii) شوقؔ

(iii) آتشؔ (iv) غالبؔ

2۔ ''ترانۂ شوق'' کس شاعر کی مثنوی ہے؟

(i) اقبالؔ (ii) میرؔ

(iii) شوقؔ (iv) میر حسنؔ

3۔ عالم خیال کا تعلق کس صنف شاعری سے ہے۔

(i) غزل (ii) مثنوی

(iii) قصیدہ (iv) نظم

4۔ شوقؔ کے دیوان کا کیا نام ہے؟

(i) آوازِ شوق (ii) گلِ نغمہ

(iii) فیضانِ شوق (iv) باغِ شوق

5۔ شوق کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

(i) 1925 گونڈہ (ii) 1920 آگرہ

(iii) 1930 کانپور (iv) 1940 لکھنؤ

مختصر ترین سوالات:

1۔ احمد علی کس شاعر کا نام تھا؟

2۔ 'ترانۂ شوق' کس شاعر کی مثنوی ہے؟

3۔ شوق قدوائی کا انتقال کب ہوا؟

4۔ ''عالم خیال'' کا تعلق کس صنف شاعری سے ہے؟

5۔ شوقؔ قدوائی کے دیوان کا کیا نام ہے؟

مختصر سوالات:

1۔ صنعت تلمیح کیا ہے؟ سمجھائیے۔

2۔ چراغِ لالہ سے کیا مراد ہے؟

3۔ جتنی مرے سخن کی ہے دھوم

سب ہے فیضِ اسیرؔ مرحوم

مندرجہ بالا شعر کون سی مثنوی سے اخذ ہے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ مثنوی کسے کہتے ہیں؟ مختصر تاریخ بیان کیجیے۔

2۔ شوقؔ قدوائی کی مثنوی نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

(4)

ڈاکٹر محمد اقبال

[پیدائش 1877ء، وفات 1938ء]

اقبال 9 رنومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام نور محمد اور والدہ کا نام امام بی بی تھا۔ ابتدائی تعلیم مولوی غلام حسین اور مولانا سید میر حسن کے مدارس میں پائی۔ اس کے بعد ان کا داخلہ اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں ہو گیا جہاں سے انھوں ہائی اسکول اور انٹر میڈیٹ کے امتحان پاس کیے۔ آگے کی تعلیم کے لیے وہ لاہور آ گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے 1898ء میں بی اے پاس کیا۔ یہیں سے 1899ء میں فلسفے میں ایم۔اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ یہیں ان کی ملاقات پروفیسر تھامس وار کر آرنلڈ سے ہوئی۔ اقبال کی فکری و ذہنی نشو ونما میں پروفیسر آرنلڈ کی صحبتوں نے اہم کردار ادا کیا۔ 1905ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے غرض سے یورپ کا سفر کیا اور ٹرینٹی کالج، کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ

اوراخلاق کی ڈگری حاصل کی۔ 1907ء میں جرمنی کے شہرمیونخ پہنچےاورلڈوِگ میکس ملین یونیورسٹی سے ''ایران میں مابعد الطبیعیاتی افکارکاارتقا'' پرپی ایچ۔ڈی۔کی ڈگری حاصل کی۔قیام یورپ کے دوران ہی بیرسٹری کی بھی سند حاصل کی اور 1908ء میں یورپ سے ہندوستان لوٹ آئے۔ یہاں آکرانھوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا جو 1934ء تک بہ دستور چلتا رہا۔ 21/اپریل1938ءکولاہور میں اُن کی وفات ہوئی۔

اقبال ایک عظیم شاعر تھے انھوں نے شاعری کی سمت ورفتار میں تبدیلی پیدا کر کے اس کو تفنن طبع کی بجائے قوم کی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔اُن کی شاعری کا دائرہ نہایت ہی وسیع ہے جس میں مختلف قسم کے افکارونظریات کا جلوہ قدم قدم پر دیکھنے کوملتاہے۔اپنے دور کے سیاسی،سماجی اور قومی مسائل پراُن کی نگاہ بہت گہری ہے جس کا اظہاراُن کے اشعار میں بہ حسن وخوبی ہوا ہے۔اردو نظم کی روایت کومضبوط بنانے میں اقبال نے اہم کردارادا کیا ہے۔اُن کی نظمیں جہاں فکر وفلسفہ کا حسین مرقع ہیں وہیں فنی اعتبار سے بھی قابل دادِتحسین ہیں۔اُن کے اردو کلام کے مجموعے **بانگِ درا**، **بال جبریل**، **ضرب کلیم** اور **ارمغان حجاز** ہیں۔

ساقی نامہ کا شماراقبالؔ کی شاہکارنظموں میں ہوتا ہے۔یہ نظم مثنوی کی ہیئت میں ہے۔نصاب میں اسی نظم سے ماخوذ اشعارکوشامل کیا گیا ہے۔اس نظم میں شاعرنے ساقی سے یہ گزارش کی ہے کہ وہ اُسے وہی شراب کہن پلائے جس سے اس کی عظمت رفتہ دوبارہ بحال ہوجائے۔ یہاں شراب کہن سے مُراد اسلاف کا جذبۂ ایمانی ہے اور ساقی سے مراد ذات خداوندی ہے۔

ساقی نامہ

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا	وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پَر لگا کر اڑا	مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر	جوانوں کو پیروں کا استاد کر
ہری شاخِ ملّت ترے نم سے ہے	نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے	دلِ مرتضٰی سوزِ صدیق دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر	تمنّا کو سینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر	زمینوں کی شب زندہ داروں کی خیر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے	مرا عشق میری نظر بخش دے
مری ناؤ گرداب سے پار کر	یہ ثابت ہے تو اس کو سیّار کر
بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات	کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں	مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز	مری خلوَت و انجمن کا گُداز
امنگیں مری ، آرزوئیں مری	امیدیں مری جستجوئیں مری

مری فطرت آئینہ روزگار غزالانِ افکار کا مرغ زار
مرا دل ، مری رزم گاہِ حیات گمانوں کے لشکر ، یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ، ٹھکانے لگا دے اسے

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرّۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود کہ ہرلحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفر زندگی کے لیے برگ و ساز سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز
الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے
ہوا جب اسے سامنا موت کا کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا
اتر کر جہانِ مکافات میں رہی زندگی موت کی گھات میں
مذاق دوئی سے بنی زَوج زَوج اٹھی دشت و کہسار سے فَوج فَوج
گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے اِسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے

سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات　　ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات
بڑی تیز جولاں ، بڑی زود رس　　ازل سے ابد تک رمِ یک نفس
زمانہ کہ زنجیرِ ایّام ہے
دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

معنی اوراشارے:

شرابِ کہن	پُرانی شراب
خرد	عقل
شب زندہ دار	رات کو جاگ کر عبادت کرنے والے لوگ
سوز	تڑپ
جہانِ مکافات	سزا ملنے والی دنیا
گھات	تاک
تیز جولاں	تیز رفتار
زود رس	جلد پہنچنے والا/ والی
ازل	روزِ اوّل
ابد	روزِ آخر
گرداب	بھنور
نالۂ نیم شب	آدھی رات کی آہ وفغاں
رزم گاہ	جنگ کا میدان
متاع	پونجی
یمِ زندگی	زندگی کا دریا
زوج زوج	جوڑا جوڑا
غزالانِ افکار	افکار کے ہرن

مرغ زار	سبزہ زار
برگ وساز	سازوسامان
ثبات	ٹھہراؤ
سفر	حرکت وگردش
لذت	مزہ
خلوت	تنہائی
نیاز	حاجت، آرزو، خواہش
گداز	نرمی، ملائمت
غزال	ہرن کا بچہ

معروضی سوالات:

1۔ 9ر نومبر 1877ء کو کس شاعر کی پیدائش ہوئی؟

(i) اقبالؔ (ii) میرؔ

(iii) غالبؔ (iv) جوشؔ

2۔ 'بالِ جبریل' کس شاعر کا مجموعۂ کلام ہے؟

(i) فیضؔ (ii) فانیؔ

(iii) اقبالؔ (iv) اکبرؔ

مختصر ترین سوالات:

1۔ علامہ اقبالؔ کا سنۂ پیدائش کیا ہے؟

2۔ اقبالؔ کے شعری مجموعہ کا نام لکھیے۔

مختصر سوالات:

1۔ 'ساقی نامہ' کا تعلق کس صنف سے ہے؟

2۔ جذبۂ خودی اور حرکت وعمل کو زندگی کے لیے کس شاعر نے ضروری بتایا ہے؟

3۔ اقبالؔ کے والد کا نام لکھیے۔

تفصیلی سوالات:

1۔ نظم ''ساقی نامہ'' کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔

2۔ اقبالؔ کی نظم نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ اقبالؔ کے حالات زندگی پر ایک نوٹ لکھیے۔

4۔ مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح مع سیاق وسباق کیجیے۔

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفر زندگی کے لیے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت ، حضر ہے مجاز

(5)

علی سردارؔ جعفری

[پیدائش 1913ء، وفات 2000ء]

علی سردارؔ جعفری کی ولادت **29 نومبر 1913ء کو بلرام پور (یوپی)** میں ہوئی۔ اصل نام علی سردارؔ جعفری اور ''**سردار**'' تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام سید جعفر طیار اور والدہ کا نام زاہدہ خاتون تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم پہلے گھر پر ہوئی اس کے بعد بلرام پور کے انگریزی اسکول میں داخلہ لیا۔ پڑھائی میں زیادہ دلچسپی نہ ہونے کے سبب کافی وقت ضائع کیا اور پھر 1933ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے علی گڑھ یونیورسٹی آ گئے لیکن 1936ء میں طلبہ کے ایجی ٹیشن میں حصہ لینے کی وجہ سے انھیں یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ مجبوراً انھیں دلی کے اینگلو عربی کالج سے بی۔ اے کرنا پڑا۔ اس کے بعد انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی میں ایل۔ ایل۔ بی میں داخلہ لے لیا۔ یہیں سے انگریزی مضمون میں

ایم۔اے۔کی ڈگری حاصل کی۔طالب علمی کے زمانے سے ہی ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔

سجاد ظہیر، ڈاکٹر عبدالعلیم، سبط حسن اور اسرارالحق مجازؔ سے ملنے کے بعد سردارؔ کے اندر ترقی پسند تحریک سے مزید دلچسپی پیدا ہوئی۔اسرارالحق مجازؔ اور سبط حسن کے ساتھ مل کر 1939ء میں ادبی رسالہ ''نیا ادب'' اور ایک ہفتہ روزا خبار ''پرچم'' نکالنا شروع کردیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ 1940ء میں ان کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔1942ء میں جب کمیونسٹ پارٹی سے پابندی ہٹی اور اس کا مرکز ممبئی میں قائم ہوا تو سردار ممبئی چلے آئے۔اور یہیں پر پارٹی کے سرگرم کارکن ''سلطانہ منہاج'' سے 1948ء میں شادی کرلی۔انھوں نے کبھی مستقل ملازمت نہیں کی۔1967ء میں انھوں نے ترقی پسند ادب کا ترجمان سہ ماہی رسالہ **''گفتگو''** نکالا جو کچھ دنوں بعد بند ہو گیا۔

سردارؔ جعفری بہترین مقرر، ادیب اور شاعر تھے۔اس کے لیے انھیں ''پدم شری''، ''سوویت لینڈ نہرو اوارڈ''، ''اقبال سمان'' اور ''گیان پیٹھ'' ایوارڈ سے نوازا گیا۔

ان کے کلام کے کئی شعری مجموعہ منظر عام پر آچکے ہیں جن میں 'پرواز' 1944ء، 'نئی دنیا کو سلام' 1946ء، 'خون کی پکار' 1949، 'امن کا ستارہ' 1950ء، 'ایشیا جاگ اٹھا' 1964ء، 'ایک خواب' 1965ء اور آخری شعری مجموعہ 'لہو پکارتا ہے 1978ء وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سردارؔ جعفری اشتراکیت پسند شاعر تھے اور اُن کی شاعری ترقی پسند اقدار سے معمور ہے۔انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ملک کی غریب، مزدور اور تباہ حال طبقے کے مسائل کی ترجمانی کی ہے۔اُن کے اسلوب میں بلند آہنگی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اُن کے اشعار قارئین پر بلاواسطہ طور سے اثر انداز ہوتے ہیں۔

شامل نصاب سبق 'ساز حیات' سردار جعفری کی معروف کتاب ''نئی دنیا کو سلام'' سے ماخوذ ہے۔یہ ایک طویل تمثیلی نظم ہے۔جس میں حب الوطنی کے جذبے کو موضوع بنایا گیا ہے۔

سازحیات

اگر دل میں ہے آرزو کا سرور
تو ہے زندگی نغمہ و رنگ و نور
مسرت نہاں سنگ پاروں میں ہے
فضاؤں میں ہے شاخساروں میں ہے
ہوائیں بجاتی ہیں جس دم ستار
پہاڑوں پہ گاتے ہیں جب آبشار
ہرے ہو کے جب لہلہاتے ہیں کھیت
بھری دھوپ میں جب چمکتی ہے ریت
کرن پھوٹتی ہے جب افلاک سے
نکلتی ہیں جب کونپلیں خاک سے
اُفق سے اُبلتا ہے جب رنگ و نور
ہواؤں میں اڑتے ہیں جس دم طیور
تو بجتا ہے دل میں خوشی کا رباب
مسرت پلاتی ہے آکر شراب
یہ دریا یہ وادی یہ صحرا یہ پھول
مسرت نے بھیجے ہیں اپنے رسول
کوئی شے نہیں ہے جہاں میں حقیر
لبوں کا تبسم ، نگاہوں کے تیر
یہ شبنم کے قطرے خس و خار پر
یہ ڈھلتی ہوئی دھوپ دیوار پر
یہ شاخوں میں ہنستی ہوئی پتیاں
یہ پانی کے چشمے یہ پگ ڈنڈیاں
یہ مکڑی کے جالے، یہ چاندی کے تار
یہ پیڑوں کی گردن میں پھولوں کا ہار
یہ آندھی سے طوفان سے کم نہیں
سمندر کے ہیجان سے کم نہیں
انھیں سب سے مل کر بنی ہے حیات
یہ سانچے ہیں جن میں ڈھلی ہے حیات

معنی اوراشارے:

سنگ پارہ	کنکر، پتھر کا چھوٹا چھوٹا ٹکڑا
آبشار	جھرنا
افق	آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا دکھائی دے۔
طیور	(طائر کی جمع) پرندے، پنچھی
رباب	سارنگی کی طرح کا ایک تاردار چوبی باجا
خس	سوکھی گھاس، کوڑا کرکٹ
خار	سخت اور باریک کانٹا، سول، حسد، جلن، تکلیف، ڈنک
ہیجان	تیزی، شدت، جوش آفرینی، سرکشی، ابال، فساد، غصہ، حیرت

معروضی سوالات:

1۔ علی سردار جعفری کی ولادت کب اور کہاں ہوئی؟

(i) 1913ء بلرامپور میں (ii) 1916ء لکھنؤ میں

(iii) 1920ء بنارس میں (iv) 1925ء دہلی میں

2۔ اخبار 'پرچم' سے کس کا تعلق ہے۔

(i) سرسید احمد خاں (ii) اکبرالہ آبادی

(iii) علی سردار جعفری (iv) فیض احمد فیضؔ

مختصر ترین سوالات:

1۔ علی سردار جعفری کب پیدا ہوئے؟

2۔ علی سردار جعفری کو گیان پیٹھ اوارڈ کس کتاب پر دیا گیا؟

3۔ علی سردار جعفری کی اہلیہ کا کیا نام تھا؟

مختصر سوالات:

1۔ پرواز، ایشیا جاگ اٹھا، امن کا ستارہ، خون کی پکار، کس شاعر کے شعری مجموعے ہیں؟

2۔ ساز حیات کا خلاصہ لکھئے۔

تفصیلی سوالات:

1۔ علی سردار جعفری کی حالات زندگی پر روشنی ڈالئے۔

2۔ علی سردار جعفری کی نظم نگاری کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھئے۔

3۔ علی سردار جعفری کی ادبی خدمات پر ایک مضمون لکھئے۔

3- قصیدہ

قصیدہ کا شمار اردو کی اہم اصناف میں ہوتا ہے۔اس میں کسی کی تعریف وتحسین و بُرائی سے متعلق مضامین باندھے جاتے ہیں۔جس قصیدے میں کسی کی تعریف کی جاتی ہے اسے مدحیہ قصیدہ اور جس میں کسی کی توہین وہجو کی جاتی ہے اسے ہجو یہ قصیدہ کہتے ہیں۔ ہیئت کے اعتبار سے قصیدے کے دو اقسام ہوتے ہیں۔تمہید یہ اور خطابیہ۔تمہید یہ قصیدہ کے چار اجزا ہوتے ہیں،جنھیں اجزائے ترکیبی سے موسوم کرتے ہیں، جو اس طرح ہیں: (۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مدح (۴) حسن طلب ودعا۔

خطابیہ قصیدے میں تشبیب اور گریز نہیں ہوتے ہیں۔اس میں صرف مدح اور حسن طلب اور دعا کا التزام ملتا ہے۔اردو میں بادشاہوں اور امرا کے علاوہ نعت اور مناقب کے موضوع پر بھی قصائد ملتے ہیں۔اردو میں قصیدہ نگاری کی ایک مستحکم روایت ملتی ہے۔دکن اور شمال دونوں جگہوں پر قصائد لکھے گئے۔رفیع سوداؔ اردو کے سب سے بڑے قصیدہ گو ہیں۔اُن کے بعد ذوقؔ کا مقام ہے۔غالبؔ، محسنؔ کاکوروی، منیرؔ شکوہ آبادی وغیرہ نے بہترین قصیدے تخلیق کر کے قصیدے کے فن کو فروغ دیا۔

(1)

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

[پیدائش 1789ء، وفات 1854ء]

ذوقؔ کا اصل نام **شیخ محمد ابراہیم** تھا۔ ذوقؔ تخلص رکھتے تھے۔ ان کی پیدائش 1789ء میں دہلی کے ایک معمولی سپاہی شیخ محمد رمضان کے گھر ہوئی۔ ان کے والد نے ابتدائی تعلیم کے لیے حافظ غلام رسول کے سپرد کر دیا۔ حافظ صاحب شاعر بھی تھے۔ ان کے یہاں ہر وقت شعر و سخن کی محفل گرم رہتی تھی۔ اس ماحول نے ذوقؔ کی طبیعت پر اثر ڈالا اور کم عمری میں ہی شعر کہنے لگے۔ شروع میں اپنا کلام حافظ صاحب کو دکھاتے تھے پھر شاہ نصیرؔ سے اصلاح لینے لگے۔

ذوقؔ نے شعر گوئی میں ایسی مشق بہم پہنچائی کہ بہت جلد انھیں استادِ فن کا رتبہ حاصل ہو گیا۔ نوجوانی کے عالم میں جب کہ ان کی عمر محض بیس سال تھی، ایک قصیدہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تو ذوقؔ کو 'خاقانی ہند' کا خطاب عطا ہوا۔

ولی عہد بہادر شاہ ظفرؔ نے ان کی شاگردگی اختیار کی اور چار روپئے ماہانہ تنخواہ مقرر کردی۔ آخر میں جب بہادر شاہ ظفرؔ تخت نشین ہو گئے تو استاد کی بھی عزت افزائی کی اور اپنی سلطنت میں 'ملک الشعراء' مقرر کیا اور ان کی تنخواہ چار روپئے سے بڑھا کر سو روپیہ کر دیا۔ **ذوقؔ کا انتقال 1854ء** میں دہلی میں ہوا۔

ذوقؔ کے دیوان میں غزلوں کے علاوہ زیادہ تر قصیدے ملتے ہیں جو بادشاہوں کی مدح میں کہے گئے ہیں۔ ذوقؔ ایک مکمل درباری شاعر تھے اس لیے ان کے قصائد درباری کے بہترین آئینہ دار ہیں۔ قصیدہ گوئی میں ذوقؔ کا پایہ بہت بلند ہے۔ سوداؔ کے بعد اس صنف شاعری کے معیار کو قائم رکھنے میں خاقانی ہند ذوقؔ ہی یکتا اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ذوقؔ کے علم وفضل نے ان کی قصیدہ نگاری کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ پُرشکوہ الفاظ ان قصیدوں میں جان ڈال دیتے ہیں۔

ذوقؔ کو زبان پر قدرت حاصل ہے۔ ان کے قصیدوں میں خارجی آرائش کا اہتمام بدرجۂ اتم ہے۔ ذوقؔ کی عربی اور فارسی زبانوں کے علاوہ مروجہ علوم پر بھی نظر تھی جس کی وجہ سے انھوں نے علمی اصطلاحات سے بھی بہت کام لیا ہے۔ مضامین میں تنوع اور بیان میں زور ہے۔ تشبیب میں ندرت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر تخیّل کی بلندی میں کمی ہونے کی وجہ سے قصیدہ گوئی کے میدان میں وہ سوداؔ سے پیچھے رہ گئے۔ ذوقؔ کی تشبیہات میں حسن تعلیل کا استعمال بہت عمدہ ہے۔ ان کے قصائد کی سب سے بڑی خوبی اندازِ بیان کی یک رنگی ہے جو قصیدے کے فنی تقاضوں کا پورا پورا حق ادا کرتی ہے۔

زیر درس سبق ذوقؔ دہلوی کے قصائد سے ماخوذ ہے۔ چونکہ ذوقؔ درباری شاعر تھے اس لیے ان کے زیادہ تر قصیدے بادشاہوں کی مدح میں ہی کہے گئے ہیں۔ ان کے قصیدوں میں فارسی کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔ یہ قصیدہ ابوظفر بہادر شاہ کی مدح میں کہا گیا ہے۔

درمدح ابوظفر بہادر شاہ مرحوم

ساون میں دیا ، پھر مہ شوّال دکھائی — برسات میں عید آئی ، قدح کش کی بن آئی
کرتا ہے ہلال ، ابروے پرخم سے اشارہ — ساقی کو کہ بھر بادے سے کشتیِ طلائی
ہے عکسِ فگن جام بلوریں سے مے سرخ — کس رنگ سے ہوں ہاتھ، نہ مے کش کے حنائی
کوندے ہے جو بجلی، تو یہ سوجھے ہے نشہ میں — ساقی نے ہے ، آتش سے مئے تیز ، اڑائی
یہ جوش ہے باراں کا کہ افلاک کے نیچے — ہووے نہ ممیّز ، کرۂ ناری و مائی
پہنچا کمک لشکرِ باراں سے ہے یہ زور — ہر نالے کی ہے، دشت میں دریا پہ چڑھائی
ہو قلزم عماں پہ لب جو ، مبتسم — تالاب سمندر کو کرے چشم نمائی
ہے کثرتِ باراں سے ہوئی عام یہ سردی — کافور کی تاثیر گئی ، جو زمیں پائی
سردی حنا پہنچے ہے ، عاشق کے جگر تک — معشوق کا ، گر ہاتھ میں ہے دستِ حنائی
عالم یہ ہوا کا ہے ، کہ تاثیرِ ہوا سے — گردوں پہ ہے، خورشید کا بھی دیدہ ہوائی
کیا صرف ہوا ہے طرب و عیش کا عالم — ہے مدرسے میں بھی ، سبق صرف ہوائی
خالی نہیں مے سے ، روش دانۂ انگور — زاہد کا بھی ، ہردانۂ تسبیح ریائی
جو آئینۂ دل ہے ، وہ عاشق کی بغل میں — گویا کہ ہے مینائے مے کاہ ربائی
کرتی ہے صبا آ کے کبھی مشک فشانی — کرتی ہے نسیم آ کے کبھی لخلخہ سائی

تھا سوزنیِ خار کا صحرا میں جہاں فرش　　سبزہ نے وہاں مخمل خوش رنگ بچھائی
آرائشِ گلشن کے لیے ، جامۂ رنگیں　　زیبائش غنچہ کے لیے تنگ قبائی
ہے نرگسِ شہلا نے دیا آنکھ میں کاجل　　برگ گل سوسن نے دھڑی لب پہ جمائی
ابرو پہ کرے قوسِ قزح وسمہ ، تو خورشید　　سرخیِ شفق سے کرے ریش اپنی حنائی
رخسارۂ گل چیں کا ہے ، سرخی سے یہ عالم　　جوں وقتِ غضب چہرۂ ترکان خطائی
کیا ساغرِ رنگیں کو کیا جلد مہیّا　　نرگس نے ، تو سرسوں ہی ہتھیلی پہ جمائی
ہوتی متحمل نہیں ، اک ساغرِ گل کی　　شاخِ گل احمر کی ، نزاکت سے کلائی
اعجازِ نوا سنجیِ مطرب سے چمن میں　　ہر خار کی ہے نوک زباں شعر نوائی
حَیرت کی نہیں جاے کہ دیوار چمن پر　　ہر طائر تصویر کرے نغمہ سرائی
شاہا! ترے جلوے سے ہے یہ عید کو رونق　　عالم نے ، تجھے دیکھ کے ہے عید منائی
کہتے ہیں مہِ نو جسے ، ابرو نے وہ تیری　　کی آئینہ چرخ میں ہے عکس نمائی
پرتَو سے ترے جام مئے عیش سر بزم　　لے ساغرِ جمشید کرے کارروائی
ٹپکے لب ساغر سے وہ قطرۂ کروی شکل　　ہو مثل فلک ، جس میں تماشائے خدائی
کیا علم سمائے ترا ، سینہ میں فلک کے　　دریا کی کہاں ہو سکے ، کاسہ میں سمائی
پڑھتا ہوں ترے سامنے وہ مطلعِ موزوں　　اَحسنتَ ، کہیں سن کے بہائی و سنائی

یوں کرسیِ زر پر ہے تری جلوہ نمائی
جس طرح کہ مصحف ہو ، سرِ رحل طلائی

رکھتا ہے تو ، وہ دست سخا ، سامنے جس کے　　ہے بحر بھی کشتی بہ کف ، از بہر گدائی
گمرہ کو ہدایت ، جو تری راہ پہ لائے　　رہزن بھی اگر ہو ، تو کرے راہ نمائی
تا ناخن شمشیر ، نہ ہو ناخن تدبیر　　دشمن کی ترے ہو نہ کبھی عقدہ کشائی
خورشید سے افزوں ہو نشاں سجدہ کا روشن　　گر چرخ کرے ، در کی ترے ناصیہ سائی
زنجیر میں جوہر کی رہی تیغ ہمیشہ　　خوں ریز کو ہو عہد میں تیرے نہ رہائی
دیتا ہے دعا ذوقؔ کہ مضمون ثنا میں　　ہے ذہن رسا کو یہ کہاں اس کے رسائی

ہر سال شہا ہووے مبارک یہ تجھے عید
تو مسندِ شاہی پہ کرے جلوہ نمائی

معنی اور اشارے:

قدح کش	شراب پینے والا
ہلال	پہلی تاریخ کا چاند
ابرو	بھوں
بادہ	شراب
کشتی طلائی	سونے کی کشتی، کشکول زر
عکس فگن	عکس ڈالنے والا
جام بلوریں	آئینہ کی طرح صاف پیالہ
مے کش	بادہ خوار، شرابی
باراں	بارش
افلاک	فلک کی جمع، آسمان
ممیّز	تمیز کیا گیا، پہچانا گیا
کرّہ	گولہ، ہر گول چیز
ناری و مائی	آگ اور پانی کا
کمک	مدد، امداد
لشکرِ باراں	برسات کا لشکر
دشت	جنگل، صحرا
قلزم عماں	عمان کا سمندر

مبتسم	ہنستا ہوا
حنا	مہندی
خورشید	سورج
طرب	خوشی، عیش
ریا	ظاہرداری، دکھاوا
مینا	شراب کی صراحی
مشک فشانی	مشک چھڑکنا
لخلخہ سائی	خوشبو بکھیرنا
سوزنی خار	کانٹے کی چبھن
صحرا	جنگل
جامۂ رنگین	رنگین پوشاک
نرگس	ایک قسم کا پھول
برگ	پتّہ
گل سوسن	سوسن کا پھول
قوس وقزح	دھنک
وسمہ	خضاب
ریش	ڈاڑھی، بال
رخسار	گال
گل چیں	پھول توڑنے والا

ترکان خطائی	خطا کے ترک (محبوب)
متحمل	برداشت کرنے والا
گل احمر	لال رنگ کا پھول
اعجاز	کرشمہ، معجزہ
نوا سنجی	نغمہ سرائی
مطرب	خوش کرنے والا، گانے والا
ساغر جمشید	جمشید بادشاہ کا پیالہ
کاسہ	پیالہ
مطلع	غزل یا قصیدے کا پہلا شعر جو مقفّی یا مردف ہو
موزوں	مناسب
احسنتَ	مرحبا، آفریں، واہ واہ
مصحف	وہ کتاب جس میں رسالے اور صحیفے جمع ہوں، مجازاً قرآن مجید
رحل طلائی	سونے کی رحل
دست سخا	سخاوت کا ہاتھ
بحر	سمندر
کف	ہتھیلی
بہر گدائی	بھیک، مانگنے کے لیے
عقدہ کشائی	گِرہ کھولنا، مشکل آسان کرنا
ناصیہ سائی	پیشانی جھکانا، سجدہ کرنا

خوں ریز	خون بہانے والا
مسند شاہی	شاہی تخت

معروضی سوالات:

1۔ ذوقؔ کا اصل نام کیا تھا؟

(i) شیخ محمد ابراہیم (ii) مرزا محمد رفیع

(iii) انشاءاللہ خاں (iv) حکیم مومن خاں

2۔ کس بادشاہ نے اپنی سلطنت میں ذوقؔ کو ''ملک الشعرا'' مقرر کیا؟

(i) بہادر شاہ ظفرؔ (ii) اکبر شاہ ثانی

(iii) آصف الدولہ (iv) واجد علی شاہ

3۔ 'خاقانی ہند' کا خطاب کس شاعر کو ملا؟

(i) ذوقؔ (ii) سوداؔ

(iii) غالبؔ (iv) میر حسنؔ

4۔ ساون میں دیا، پھر مہِ شوّال دِکھائی/ برسات میں عید آئی، قدح کش کی بن آئی۔

یہ قصیدہ کس کی مدح میں لکھا گیا ہے۔

(i) درمدح بہادر شاہ ظفر (ii) درمدح شاہزادہ سلیمان شکوہ

(iii) درمدح نواب آصف جاہ (iv) قصیدۂ شہر آشوب

5۔ ذوقؔ کو 'خاقانی ہند' کا خطاب کس عمر میں ملا؟

(i) اٹھارہ برس (ii) انیس برس

(iii) بیس برس (iv) اکیس برس

مختصر ترین سوالات:

1۔ ذوقؔ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی ؟

2۔ دربار شاہی سے انھیں کون سا خطاب عطا ہوا؟

3۔ ذوقؔ شاعری میں کس بادشاہ کے استاد تھے؟

مختصر سوالات:

1۔ ذوقؔ کو 'ملک الشعراء' کا خطاب کس بادشاہ نے عطا کیا؟

2۔ ذوقؔ اپنے کلام میں اصلاح کس شاعر سے لیتے تھے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ ذوقؔ کے سوانحی حالات پر روشنی ڈالیے۔

2۔ ذوقؔ کے قصائد کی خوبیاں بیان کیجیے۔

3۔ درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

ساون میں دیا پھر مہ شوال دکھائی
برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی

کرتا ہے ہلال ابروے پرخم سے اشارہ
ساقی کو کہ بھر بادے سے کشتی طلائی

(2)

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

[پیدائش 1797ء، وفات 1869ء]

مرزا غالبؔ کا اصل نام **اسداللہ خاں** اور عرفیت **مرزا نوشہ** تھی۔ ان کی ولادت **1797**ء میں آگرہ (اکبرآباد) میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام عبداللہ بیگ تھا جو فوج میں ملازم تھے۔ 1801ء ان کے والد لڑائی میں مارے گئے تو چچا نصر اللہ بیگ نے پرورش کی ذمہ داری قبول کی۔ وہ اکبرآباد کے صوبیدار تھے۔ غالبؔ نو برس کے تھے کہ چچا کا بھی انتقال ہو گیا۔ انگریزی سرکار کی طرف سے سات سو روپئے پنشن مقرر تھی۔ آگرے میں ہی اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ نواب الٰہی بخش معروفؔ کی بیٹی امراؤ بیگم سے شادی ہوئی۔ شادی کے بعد غالبؔ آگرہ چھوڑ کر دہلی چلے آئے اور شاعری کی طرف پوری طرح سے متوجہ ہو گئے۔ اپنی ذہانت اور محنت سے انھوں نے خوب مہارت حاصل کر لی۔ غالبؔ کی ابتدائی شاعری میں

فارسیت کا غلبہ زیادہ تھا اور تخیل کی پرواز اتنی بلند تھی کہ ان کے اشعار کا مطلب کم لوگوں کی سمجھ میں آتا تھا۔ آخر غالبؔ کو خود اس کا احساس ہوا اور انھوں نے اپنا رنگ سخن بدلنے کی کوشش کی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ان کے کلام سے مشکل گوئی دور ہوتی گئی اور آسان و سادہ زبان میں شعر کہنے لگے۔ غالبؔ کی شاعرنہ عظمت صرف ان کی غزلوں کی وجہ سے ہی نہیں ہے بلکہ ان کے قصیدے بھی اردو شاعری کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ **1869ء میں غالبؔ کا انتقال** ہوگیا۔

غالبؔ نے کل چار قصیدے لکھے۔ شروع کے دو قصیدے حضرت علیؑ کی شان میں، آخری زمانے میں دو قصیدے بہادر شاہ ظفر کی شان میں لکھے۔ غالبؔ کے قصائد دیگر شعرا کے قصائد کی طرح طویل نہیں ہیں۔ ان کا سب سے طویل قصیدہ جو بہادر شاہ ظفر کی مدح میں ہے وہ اٹھاون اشعار پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اردو قصیدہ نگاروں کی تقلید کے بجائے فارسی قصیدہ نگاروں کے قصائد کو اپنا رہنما بنایا۔ فکر و فلسفہ اور تصوف کی آمیزش سے قصیدہ گوئی کو نئے رنگ و آہنگ سے روشناس کرایا۔ غالبؔ کے قصائد میں تشبیب کے اشعار زیادہ اور مدح کے اشعار کم ہوتے ہیں لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ وہ چند اشعار میں جوش، وجدان اور اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے اپنا اثر چھوڑ جانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

بہادر شاہ ظفرؔ کی شان میں دو قصائد غالبؔ نے کہے ہیں وہ آخری زمانے میں لکھے گئے ہیں اس لیے ان کی زبان نہایت سادہ، صاف، سلیس اور عام فہم ہے۔ ان قصائد میں نرمی، تازگی اور شادابی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کا لب ولہجہ قصیدے سے کہیں زیادہ غزل کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ ایک قصیدے کا مطلع اس طرح ہے:

ہاں مہ نو سُنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کر رہا ہے سلام

مطلع سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ غالبؔ نے قصیدے کو نیا رخ دینے کی کوشش کی ہے اور روایت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی ذہانت، فنکارانہ بصیرت اور جدّت پسندی سے کام لیا ہے اور قصیدہ نگاری میں خوشگوار اضافے کئے ہیں۔

زیر درس سبق مرزا غالبؔ کے قصائد سے ماخوذ ہے۔ یہ قصیدہ مدحیہ ہے جو بہادر شاہ ظفرؔ کی شان میں کہا گیا ہے۔

قصیدہ در مدح بہادر شاہ

ہاں مہِ نَو سُنیں ہم اس کا نام　　جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صُبح　　یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب؟　　بندہ عاجز ہے گردشِ ایام!
اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا　　آسماں نے بچھا رکھا تھا دام
مَرحبا! اَے سرورِ خاصِ خواص!　　حَبّذا! اے نشاطِ عامِ عوام!
عُذر میں تین دن نہ آنے کے　　لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا　　صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا　　تیرا آغاز اور ترا انجام
رازِ دل مجھ سے کیوں چُھپاتا ہے؟　　مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمّام؟
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں　　ایک ہی ہے امید گاہِ انام
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش　　غالبؔ اس کا مگر نہیں ہے غلام؟
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو　　تب کہا ہے بطرزِ استفہام
مہر تاباں کو ہو تو ہو، اَے ماہ!　　قُربِ ہر روزہ بر سبیلِ دوام!
تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا　　جُز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام
جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو　　پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام
ماہ بن ، ماہتاب بن ، میں کون!　　مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام؟

میرا اپنا جُدا معاملہ ہے اَور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوے بخششِ خاص گر تجھے ہے امید رحمتِ عام
جو کہ بخشے گا تجھ کو فرِّ فروغ کیا نہ دے گا مجھے مےِ گلفام؟
جب کہ چودہ منازلِ فلکی کر چکے قطع تیری تیزیِ گام
تیرے پرتَو سے ہوں فروغ پذیر کوے ومُشکوے وصحن ومنظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز اپنی صورت کا اِک بلوریں جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا تو سَنِ طبع چاہتا تھا لگام
کہہ چکا میں تو سب کُچھ اب تُو کہہ اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام!
کون ہے جس کے دَر پہ ناصیہ سا ہیں مہ و مِہر و زہرہ و بہرام؟
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن نام شاہنشہِ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ مظہرِ ذُوالجلال والاِکرام
جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز جس کا ہر قول معنیِ اِلہام
بزم میں میزبانِ قیصر و جم رزم میں اُستادِ رستم و سام
شہسوارِ طریقۂ انصاف نَو بہارِ حدیقۂ اسلام
اے تِرا لُطف زندگی افزا اے ترا عہد فرخی فرجام
چشمِ بددور خُسروانہ شکوہ! لَو حَش اللہ عارفانہ کلام!
جاں نثاروں میں تیرے قیصرِ روم جُرعہ خواروں میں تیرے مُرشدِ جام
وارث ملک جانتے ہیں تجھے
ایرج و تور و خسرو و بہرام

معنی اور اشارے:

مہِ نو	نیا چاند
اندام	جسم، بدن
گردش ایام	زمانے کی گردش
دام	جال، پھندا
مرحبا	آفریں، شاباش
حبّذا	کلمہ تحسین،
نشاط	خوشی
عذر	معذرت
نمام	چغل خور
انام	عوام
حلقہ بگوش	ارادت مند، مرید
طرز	طور طریقہ، ڈھنگ
استفہام	دریافت کرنا
مہرتاباں	چمکتا ہوا سورج
برسبیل	راستے کے طور پر
دوام	ہمیشگی
روشناس	چہرہ شناس

فرّ	شان وشوکت
فروغ	ترقی
تیزی گام	تیز رفتار
پرتو	عکس
فروغ پذیر	ترقی پذیر
گل فام	پھول جیسے رنگ والا محبوب
مشکوے	محل، بالا خانہ
بلوریں	صاف شفاف
پیک	نگاہ،نظر
ناصیہ	پیشانی
مہر	سورج
زہرہ	ایک ستارے کا نام
بہرام	پانچویں آسمان کا ایک ستارہ
شاہنشہ	شہنشاہ، بادشاہ
مظہر	ظاہر ہونے کی جگہ
حدیقہ	باغیچہ
عہد فرخی	زمانہ سلطنت
فرجام	انجام، خاتمہ
چشم بددور	نظر بد دور ہو،نظر نہ لگے

خسروانہ	شاہانہ
شکوہ	شان وشوکت
لوحش اللہ	خداوحشت نہ دے،کلمہ تحسین
عارفانہ	عقلمندانہ، عارف کی طرح
ایرج	ایران
تور	توران
خسرو	ایران کے ایک بادشاہ کا نام
بہرام	عراق کے ایک بادشاہ کا نام

معروضی سوالات:

1۔ مرزا غالبؔ کا اصل نام کیا ہے؟

(i) اسداللہ خاں (ii) عبداللہ بیگ

(iii) نصیراللہ خاں (iv) نواب الٰہی بخش

2۔ مرزا غالبؔ کی بیوی کا کیا نام تھا؟

(i) امراؤ بیگم (ii) اکبری بیگم

(iii) اصغری بیگم (iv) خدیجہ بیگم

3۔ مرزا غالبؔ کی سنِ وفات کیا ہے؟

(i) 1879ء (ii) 1869ء

(iii) 1888ء (iv) 1896ء

4۔ غالبؔ کا سب سے طویل قصیدہ کتنے اشعار پر مشتمل ہے۔

(i) پچاس اشعار پر (ii) پچپن اشعار پر

(iii) اٹھاون اشعار پر (iv) ساٹھ اشعار پر

5۔ مرزا غالبؔ نے کل کتنے قصیدے لکھے؟

(i) ایک قصیدہ (ii) دو قصیدے

(iii) تین قصیدے (iv) چار قصیدے

مختصر ترین سوالات:

1۔ غالبؔ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

2۔ غالب کا پورا نام لکھیے۔

3۔ غالبؔ کا انتقال کہاں ہوا؟

مختصر سوالات:

1۔ غالبؔ کے آخر کے دو قصیدے کس کی مدح میں کہے گئے؟

2۔ غالبؔ کا اسلوب بیان کیسا ہے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ غالبؔ کے سوانحی حالات بیان کیجیے۔

2۔ غالبؔ کے قصیدہ نگاری کی خوبیاں بیان کیجئے۔

3۔ درج ذیل اشعار کی تشریح کیجئے۔

ہاں مہِ نَو سُنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صُبح
یہی انداز اور یہی اندام

4- مرثیہ

مرثیہ شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔اس کا سرا عربی شاعری سے بھی جڑتا ہے۔عربوں کا یہ وطیرہ تھا کہ اُن کے یہاں کوئی صاحب کمال انسان رحلت کرتا تھا تو اس کے اوصاف بیان کرتے اور اس پر اظہار تاسف اور ماتم کرتے تھے۔اور ایسی شاعری کو رثائی شاعر کہتے تھے۔مرثیہ سے مُراد اس نظم سے ہے جس میں کسی کی موت پر اس کے اوصاف حمیدہ بیان کر کے شیون و ماتم کیا جائے ،لیکن واقعہ کربلا کے بعد یہ حضرت امام حسین اور کربلا کے دیگر شہدا سے مختص ہوگیا۔

اب مرثیہ سے مُراد وہ نظم ہے جس میں امام حسین اور اُن کے ساتھ کربلا میں شہید ہونے والے کے مصائب ومناقب کا بیان ہو۔وہ مرثیہ جس میں کسی خاص شخصیت کی موت پر اظہارغم کیا جائے اسے شخصی مرثیہ کہا جاتا ہے۔ابتدا میں مرثیہ کے لیے کوئی ہیئت مخصوص نہیں تھی لیکن بعد کے زمانے میں اس کے لیے مسدس کی ہیئت اپنائی گئی۔مرثیہ نگاری کی روایت نہایت ہی مستحکم ہے اردو میں بڑی تعداد میں مرثیے لکھے گئے جس کے باعث مرثیہ نے ادب میں ایک خاص مقام بنا لیا ہے۔میر خلیقؔ، میر ضمیرؔ، میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، جوشؔ ملیح آبادی، جمیلؔ مظہری، شہزادؔ معصومی وغیرہ اردو کے اہم مرثیہ نگار ہیں۔

(1)

میر ببر علی انیسؔ

[پیدائش 1802ء، وفات 1874ء]

میر ببر علی انیسؔ 1802ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ میر مستحسن خلیقؔ کے بیٹے تھے۔ وہ ایک علمی وادبی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ شاعری انھیں وراثت میں ملی تھی۔ اُن کے دادا میر غلام حسنؔ تھے جن کی تصنیف مثنوی 'سحرالبیان' اردو ادب میں تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

انیسؔ کے اجداد دلّی کے رہنے والے تھے۔ جب دلّی پر تباہی کے بادل منڈلائے اور اہل کمال کے لیے وہاں کی زمین تنگ ہوگئی تو ان کے اجداد وہاں سے فیض آباد آکر بس گئے۔ اُن کے والد وہاں سے لکھنو چلے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

انیسؔ نے شعر گوئی کی ابتدا بچپن ہی میں کر دی تھی۔ شروع میں حزیںؔ تخلص کرتے تھے لیکن امام بخش ناسخ کے مشورے سے انیسؔ تخلص اختیار کرلیا اور اسی سے مشہور ہوئے۔

انیسؔ نے اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا۔ اُن کے یہاں اچھی خاصی تعداد میں غزلیں موجود ہیں، لیکن اپنے والد کی تہدید پر غزل گوئی ترک کر سلام اور مرثیہ کہنے لگے اور مرثیہ کے فن کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ انیسؔ کے مرثیے فکر اور فن دو اعتبار سے معیاری ہیں۔ ان کے مراثی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں فصاحت و بلاغت کے تمام اجزا موجود ہیں۔ وہ جو باتیں جس کردار سے ادا کرواتے ہیں وہ اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ ان کے مرثیوں میں بچّوں، بوڑھوں، نوجوانوں، عورتوں سب کے جذبات کی حقیقی عکاسی ملتی ہے۔

انیسؔ کے مرثیوں میں اُن کی فنکاری صاف صاف جھلکتی ہے۔ وہ لفظوں کے انتخاب اور ان کے مناسب استعمال پر بلا کی قدرت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کی شاعری میں اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ میر انیس منظر نگاری، واقعہ طرازی، مکالمہ نگاری، جذبات نگاری اور اخلاق و فضائل کو بڑی خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں صنائع و بدائع، تشبیہات و استعارات، روزمرہ اور محاورات کا استعمال بھی بڑی فنکاری کے ساتھ ملتا ہے۔ میر انیس نے اپنے مرثیوں کے ذریعہ اردو شاعری کے دامن کو وسیع کیا ہے۔

میر انیس کا انتقال 10 ر دسمبر 1874ء کو لکھنو میں ہوا۔

حضرت امام حسینؑ کا حضرت عباسؑ کو علم سونپنا

بیٹھے تھے جا نماز پہ ، شاہِ فلک سریر ناگہ ، قریب آ کے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے ، سوے لشکر شریر عبّاس اُٹھے تول کے ، شمشیرِ بے نظیر
پروانہ تھے سراج امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرور زماں تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکر گراں بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردن اصغر ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہ آسماں سریر فضّہ پکاری ڈیوڑھی سے کہ اے خلق کے امیر
ہے ہے علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر اصغر کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

باقر کہیں پڑا ہے سکینہ کہیں ہے غش گرمی کی فصل یہ تب و تاب اور یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیران ماہ وش بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیا پے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

اٹھے ، یہ شور سن کے ، اِمامِ فلک وَقار ڈیوڑھی تک آئے ، ڈھالوں کو رو کے رفیق و یار
فرمایا مڑ کے ، چلتے ہیں اب بہرِ کارزار کمریں کسو جہاد پہ ، منگواؤ راہ وار
دیکھیں فضا بہشت کی ، دل باغ باغ ہو
اُمّت کے کام سے کہیں ، جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ ، حرم میں گئے شاہِ بحر و بر ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اُدھر
جَوشن پہن کے ، حضرتِ عباسؓ نام ور دروازے پہ ٹہلنے لگے ، مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رُخ کے ، برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی، سِپر دوشِ پاک پر

خیمے میں جا کے ، شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال چہرے توفق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینب کی یہ دُعا ہے کہ اے ربِّ ذو الجلال بچ جائے اس فساد سے خیر النّسا کا لال
بانوے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ ، بچوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا بے کس پہ یہ چڑھائی ہے ، سیّد پہ یہ جفا
غُربت میں ٹھن گئی جو لڑائی ، تو ہوگا کیا؟ ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم ، اے خدا!
فاقوں سے جاں بلَب ہیں ،عطش سے ہلاک ہیں
یا رب! ترے رسول کی ہم آلِ پاک ہیں

سر پر نہ اب علیؓ ، نہ رسولِ فلک وقار گھر لٹ گیا ، گزر گئیں خاتونِ روزگار
امّاں کے بعد ، روئی حسنؓ کو میں سوگوار دنیا میں اب حسینؓ ہے ، ان سب کا یادگار
تو داد دے مری ، کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اِس پہ بن گئی ، تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے ، شہ آسماں جناب مضطر نہ ہو ، دعائیں ہیں تم سب کی مُستجاب
مغرور ہیں ، خطا پہ ہیں ، یہ خانماں خراب خود جا کے میں دکھاتا ہوں اِن کو رہِ صواب
موقع بہن نہیں! ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرّکات! رِسالت پناہ کا

معراج میں رسول نے پہنا تھا جو لباس کشتی میں لائیں زنیب اُسے شاہِ دیں کے پاس
سَر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس پہنی قبائے پاکِ رسولِ فلک اساس
بر میں دُرست و چُست تھا جامہ رسولؐ کا
رؤمال فاطمہؓ کا ، عمامہ رسؤلؐ کا

کپڑوں سے آ رہی تھی رسول زمن کی بو دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دُلہن کی بو
حیدرؓ کی فاطمہؓ کی حسینؓ و حسنؓ کی بو پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لٹتا تھا عطر وادیِ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلّائی ہائے آج نہیں حیدرؓ و حسنؓ امّاں! کہاں سے لائے تمھیں اَب یہ بے وطن
رُخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صدقے گئی ، بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندؤق اسلحہ کے ، جو کھُلوائے شاہ نے پیٹا منھ اپنا زینبِ عصمت پناہ نے
پہنی زِرہ امامِ فلک بارگاہ نے بازو پہ جوشنین مڑھے عزّ و جاہ نے
جَوہر بدن کے حسن سے ، سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے ، اُتنے ستارے چمک گئے

یاد آ گئے علیؑ ، نظر آئی جو ذو الفقار قبضے کو چوم کر ، شہ دیں روئے زار زار
تولی جو لے کے ہاتھ میں ، شمشیر آبدار شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو ، نُصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو ، ضرب عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ، ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قُدسی خِصال نے معراج پائی دوش پہ ، حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا ، کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں ، مُہر نبوت کی شان تھی

ہتھیار اِدھر لگا چُکے آقائے خاص و عام تیار اُدھر ہوا ، علَم سَیّد انام
کھولے سروں کو ِگرد تھیں سیدانیاں تمام روتی تھی تھامے چوبِ علم ، خواہرِ امام
تیغیں کمر میں ، دوش پہ شَملے پڑے ہوئے
زینب کے لال ، زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گل عذار مرفق تک آستینوں کو الٹے بصد وقار
جعفر کا رُعب و دبدبۂ شیر کردگار بوٹے سے ان کے قد پہ نمودار و نام دار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

گہ ماں کو دیکھتے تھے ، کبھی جانبِ علم نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشوَرے بہم آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علیِ ولی کے نِشان کا؟
امّاں! کسے ملے گا علم نانا جان کا؟

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہ خوش خصال ہم بہ حق ہیں آپ کو اس کا رہے خیال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزت طلب ہیں نام کے امیدوار ہیں
بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جواں لیکن ہمارے جَد کو نبی نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منھ لشکرِ گراں پایا علم علی نے مگر ، وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں ، گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے انھیں کے ہم ہیں ، انھیں کے نواسے ہیں
زینب نے تب کہا ، کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام؟ کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام
دیکھو نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام! بگڑوں گی میں جو لوگے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ ، بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے
سرکو ، ہٹو ، بڑھو، نہ کھڑے ہو علم کے پاس ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں ، شاہِ فلک اَساس
کھوتے ہو اور ، آئے ہوئے تم مرے حواس بس! قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے تم ، جو بُرا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں؟
عمریں قلیل اور ہوسِ منصبِ جلیل اچھا! نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے ، گرچہ یہ ہمّت کی ہے دلیل ہاں اپنے ہم سنوں میں تمھارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے ، غور کرے ، پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ ، کیوں بشر اس کی ہوس کرے

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھے گا یہ علم   چھوٹے قدوں میں سب سے، سنوں میں سبھوں سے کم
نکلیں تنوں سے سبط نبی کے قدم پہ دم   عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

پھر تم کو کیا، بُزرگ تھے گر فخر روزگار   زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں، جو تیغ کرے آپ آشکار   دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کار زار
تم کیوں کہو کہ لال، خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علی کے ہیں

نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کُشا کا لال   امّاں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پُوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال   میں لٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غم خوار تم مرے ہو، نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے، طالب ہو نام کے

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام   غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہر امام!
واللہ کیا مجال، جو اب لیں علم کا نام   کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غُلام
فوجیں بھگا کے، گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہوگی آپ کو، جب ہم نہ ہوئیں گے

یہ کہہ کے بس ہٹے، جو سعادت نشاں پسر   چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
دیتے ہو، اپنے مرنے کی پیارو! مجھے خبر   ٹھہرو ذرا، بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں، ماں کی نصیحت بُری لگی؟
بچّو، یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

زینب کے پاس آ کے ، یہ بولے شہِ زمن   کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن
شیروں کے شیر ، عاقل و جرّار صف شِکن   زینب! وحید عصر ہیں دونوں یہ گل بدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیوَر ہی ان کے اور ، ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سِن میں یہ جُرأت ، یہ ولولے   بچّے کسی نے دیکھے ہیں ، ایسے بھی من چلے
اقبال، کیوں کر اِن کے نہ قدموں سے منھ ملے   کس گود میں بڑے ہوئے؟ کس دؤدھ سے پلے
بے شک! یہ ورثہ دارِ جنابِ امیر ہیں
پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

اب تم جسے کہو اسے دیں فوج کا علم   کی عرض ، جو صلاحِ شہِ آسماں حشم
فرمایا ، جب سے اٹھ گئیں زہراے باکرم   اس دِن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم ، بزرگ کوئی ہو کہ خُرد ہو
جس کو کہو ، اسی کو یہ عُہدہ سپرد ہو

بولی بہن ، کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام   ہے کس طرف توجہ سردارِ خاص و عام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام   قرآں کے بعد ہے تو ہے بس آپ کا کلام
شوکت میں ، قد میں ، شان میں ، ہمسر کوئی نہیں
عباسؑ نام دار سے بہتر کوئی نہیں

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن   ہاں تھی یہی علی کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن   اکبر چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
کی عرض! انتظار ہے شاہ غیور کو
چلیے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضور شاہ جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینب وہیں علم لیے آئیں بہ عز و جاہ بولے نشاں کو لے کے شہ عرش بارگاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی یہ علم ، یہ عنایت بہن کی ہے

رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار ہمشیر کے قدم پہ ملا منھ بہ افتخار
زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار عباسؓ! فاطمہؓ کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صُلح کی صُورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر ، نکل چلو

کی عرض ، میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوج بدگہر
تیغیں کھینچیں جو لاکھ ، تو سینہ کروں سپر دیکھیں اٹھا کے آنکھ ، یہ کیا تاب کیا جگر
ساونت ہیں پسر ، اسد ذو الجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

منھ کر کے سوے قبرِ علی ، پھر کیا خطاب ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابوتراب! آقا کے آگے ہوں میں شہادت سے کامیاب
سر تن سے ، ابن فاطمہ کے رُو برُو گرے
شبّیر کے پسینے پہ ، میرا لہُو گرے

یہ سن کے آئی زوجۂ عباسؓ نام ور شوہر کے سمت پہلے انکھیوں سے کی نظر
لیں سبط مصطفیٰ کی بلائیں بہ چشم تر زینب کے گرد پھر کے ، یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدُّق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی ، رُتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے ، زینب نے یہ کہا تو اپنی مانگ ، کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض ، مجھ سی لاکھ کنیزیں تو ہوں فدا بانوے نام ور کو سُہاگن رکھے خدا
بچے جییں ، ترقی اِقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے ، علی اکبر کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لے کے جائے یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسین آئے
ام النبین ، جاہ و حشم سے پسر کو پائے جلدی شبِ عروسیِ اکبر خدا دکھائے
مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آ کے بالی سکینہ نے یہ کہا کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمّو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علی کے نشان کی

عباس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ عمّو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ اب تو علم ملا تمھیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجیے نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجیے

ڈیوڑھی پہ خادمان محل کی ہوئی پکار آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نام دار نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

ناگہ بڑھے علم لیے ، عباسِ باوفا دوڑے سب اہل بیت ، کھُلے سَر برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے ، یہ اِک ایک سے کہا لو! الوداع! اے حرمِ پاک مصطفیٰ
صبحِ شبِ فراقِ ہے ، پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینب زار و حزیں گری بانو پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری
اجڑا چمن ، ہر اک گل تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

معنی اور اشارے:

سریر	تخت شاہی یا مسند
بے نظیر	بے مثال، لاثانی
پرواز	اڑان
تلف	ضائع، برباد
ہدف	نشانہ
گہوارہ (گاہوار)	پالنا، جھولا
صغیر	چھوٹا
ماہ وش	چاند کے جیسا
وقار	عزت
عطش	پیاس
تب وتاب	گرمی
رفیق	دوست
کارزار	جنگ
راہ وار	گھوڑا
بحر و بر	سمندر اور خشکی (پوری دنیا)
برق	بجلی
خیر النسا	حضرت فاطمہ زہرا کا لقب

صحرا	جنگل
غربت	پردیس
خاتون روزگار	بی بی فاطمہ کالقب
مضطر	پریشان
حق شناس	حق (سچائی) پہچاننے والا
اساس	بنیاد، یا جڑ
عنبرسرشت	عنبرجیسی خوشبو والی
یوسف جمال	حضرت یوسفؑ جیسا خوبصورت
ذوالفقار	حضرت علیؓ کی تلوار
آبدار	چمکدار
جوشنین	(جوشن کی تثنیہ) بازو میں پہننے والے زیور
شوکت	شان
ضرب	وار
عدو	دشمن
زیب	زینت، آرائش، سجاوٹ
انام	دنیا کے لوگ
قدسی خصال	نیک عادت والا (یہاں حضرت حسینؓ کے لیے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں)
جاں نثار	اپنی جان نثار کرنے والے
قلیل	چھوٹا یا کم

جلیل	بڑا
منصب	درجہ، مرتبہ
افتخار	فخر
لالہ فام	گلاب کے پھول جیسے نازک
سعادت	نیکی یا بھلائی
خواہر	بہن
جرّار	بہادر
صف شکن	جنگ میں صفوں کو توڑنے والا بہادر
گل بدن	پھول جیسے جسم والا
وحید عصر	جس کا اپنے زمانے میں کوئی ثانی نہ ہو
اقبال	اعتراف، اقرار
غیور	غیرت مند
پنجتن	پنج نفوس قدسی، حضرت محمدؐ، حضرت علیؓ، جناب فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ
جام	پیالہ، کٹورا
ساونت	بہادر، دلیر

معروضی سوالات:

1۔ مرثیہ کے اس جز کو کیا کہتے ہیں جس میں ہیرو میدانِ جنگ میں آتا ہے۔

(i) آمد (ii) رجز (iii) جنگ (iv) رخصت

2۔ میر انیسؔ کے دادا کا کیا نام تھا؟

(i) میر ضاحکؔ (ii) میر مستحسن (iii) میر حسن (iv) میر تقی میر

3۔ میر انیسؔ کی قبر کہاں موجود ہے؟

(i) دلّی (ii) فیض آباد (iii) لکھنؤ (iv) بنارس

مختصر ترین سوالات:

1۔ مرثیہ کے سب سے ممتاز شاعر کا نام کیا ہے؟

2۔ مرثیہ کا آخری جز کیا کہلاتا ہے؟

مختصر سوالات:

1۔ شاعر نے خاتون روزگار، کس کو کہا ہے؟

2۔ اس شعر میں کون سی صنعت ہے؟

حیدرؓ کی فاطمہؓ کی حسینؓ و حسنؓ کی بو
پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنج تن کی بو

(۱) تشبیہ (۲) استعارہ (۳) لف ونشر (۴) تلمیح

تفصیلی سوالات:

1۔ میر انیس کی مرثیہ نگاری پر نوٹ لکھیے۔

2۔ مرثیہ کے اجزائے ترکیبی پر روشنی ڈالیے۔

3۔ میر انیس کے حالات زندگی بیان کیجیے۔

(2)

مرزا سلامت علی دبیر

[پیدائش 1803ء ،وفات 1875ء]

مرزا سلامت علی نام اور دبیرؔ تخلص تھا۔ 29/اگست 1803ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ پانچ سات برس کی عمر میں اپنے والد مرزا غلام حسین کے ہمراہ لکھنو چلے آئے اور محلّہ نخاس میں اقامت اختیار کی۔ اُن کی تعلیم وتربیت لکھنو ہی میں ہوئی۔ یہیں انھوں نے عربی وفارسی کی درسی کتابیں پڑھیں، شاعری میں میر مظفر حسین ضمیرؔ کے شاگرد تھے۔

لکھنؤ کے جس علمی فضا میں دبیرؔ کی پرورش ہوئی، اس وقت محفلوں میں تعلیم یافتہ لوگ اپنی علمیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے عربی وفارسی کے دقیق ونامانوس الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اس کا اثر مرزا دبیر پر بھی پڑا اور انھوں نے اپنے مرثیوں میں عربی وفارسی کے دقیق ونامانوس الفاظ وتراکیب کا اہتمام کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے مرثیوں میں پرتکلف انداز، مشکل پسندی، مضمون آفرینی اور صنائع وبدائع کا استعمال کرکے اپنی جُداگانہ شناخت قائم کرنے کی کوشش کی۔ تلمیحات کے تخلیقی استعمال میں بھی اُن کو قدرت حاصل تھی۔ اُن کے مرثیوں کے ایک ایک بند میں کئی کئی تلمیحات ملتی ہیں جو اُن کی قادرالکلامی اور علمی استعداد پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ جذبات نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری کی بہترین مثالیں بھی اُن کے کلام میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ 6/مارچ 1875ء کو دبیرؔ کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔

طلوع صبح

پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی پنہاں درازیِ پرِ طاؤس شب ہوئی
اور قطعِ زلفِ لیلیٰ زہرہ لقب ہوئی مجنوں صفت قبائے سَحَر چاک سب ہوئی
فکرِ رفو تھی چرخِ ہنر مند کے لیے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لیے

یوسف غریقِ چاہِ سیہ ناگہاں ہوا یعنی غروب ، ماہِ تجلّی نشاں ہوا
یونس دَہانِ ماہیِ شب سے عیاں ہوا یعنی طلوعِ نیّرِ مشرق ستاں ہوا
فرعونِ شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور یدِ بیضا تھا آفتاب

روز سفید یوسف آفاق شب نقاب مغرب کی چاہ میں تھا جو وہ زیر ماہ تاب
سقائے آسماں نے لیا دلو آفتاب اور ریسماں شعاع کی باندھی آب و تاب
یوسف کو دلو مہر میں بٹھلا کے چاہ سے
کھینچا نواحِ شرق میں مغرب کی راہ سے

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا   پھر مشکِ شبِ جہان سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہو گیا   باطل ، رسالۂ شبِ دَیجُور ہو گیا
کیا پختہ روشنائی تھی، قدرت کے خامے میں
مضموں تھا آفتاب کا ، ذرّوں کے نامے میں
کھولے ہوا میں طائر زریں نے بال و پر   بیٹھا وہ آ کے چرخ چہارم کے بام پر
دانے سِتاروں کے جو پڑے تھے اِدھر اُدھر   مِنقارِ زر میں چن لیے اس نے وہ سر بسر
پھر میہمان چشمۂ مہتاب ہو گیا
چشمہ تو خشک اور وہ سیراب ہو گیا

معنی واشارے:

شعاع	کرن
مہر	سورج
مقراض	قینچی
پنہاں	پوشیدہ
درازی	لمبائی
طاؤس	مور
شب	رات
قطع	کاٹنا، الگ کرنا
لیلیٰ	رات
زُہرہ	ایک ستارہ
سحر	صبح
چرخ	آسمان
غریق	ڈوبا ہوا، سمایا ہوا
چاہ	کنواں
ناگہاں	اچانک
غروب	ڈوبنا
دہان	منھ

ماہی	مچھلی
عیاں	ظاہر
طلوع	نکلنا
نیّر	روشن ترین ستارہ
مشرق	پورب
معرکہ	جنگ
کلیم	کلام یا بات کرنے والا، حضرت موسیٰؑ کا لقب
ید بیضا	چمک دار ہاتھ، سفید ہاتھ، مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی تلمیح
آفاق	افق کی جمع مراد دنیا
سقا	پانی پلانے والا
ریسمان	رسی
دلو	ڈول، کوئیں سے پانی بھرنے کا برتن
شرق	مشرق
ظلمت	اندھیرا
کافور ہونا	اڑ جانا، غائب ہو جانا
باطل	غلط، ناحق، جھوٹ
رسالہ	فوج
شبِ دیجور	اندھیری رات
خامہ	قلم

طائر	پرندہ
زریں	سنہرا
منقار	چونچ

مختصر ترین سوالات:

1۔ دبیرؔ کا پورا نام لکھیے۔

2۔ دبیرؔ کے والد کا نام لکھیے۔

3۔ مرزا دبیرؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

مختصر سوالات:

1۔ آپ کے نصاب میں شامل اس مرثیہ میں کن پیغمبروں کے نام آئے ہیں؟

2۔ 'یوسف غریق چاہِ سیہ ناگہاں ہوا/ یعنی غروب ماہ تجلی نشاں ہوا'
اس شعر میں کس صنعت کا استعمال کیا گیا ہے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ مرزا سلامت علی دبیرؔ کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

2۔ مرزا دبیرؔ کے حالات زندگی بیان کیجیے۔

3۔ دبیرؔ کی مرثیہ نگاری کی خصوصیات پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(3)

صفیؔ لکھنوی

[پیدائش 1862ء، وفات 1950ء]

صفیؔ لکھنوی کا اصل نام سید علی نقی اور صفیؔ تخلص تھا۔ 1862ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِ اعلیٰ غزنی سے ترک وطن کر کے دہلی آئے اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد ان کے ورثا فیض آباد چلے آئے اور نصیر الدین حیدر کے زمانے میں اس خاندان کے بیشتر افراد لکھنؤ میں آباد ہو گئے۔ ابتدا میں فارسی اور عربی کی درسی کتابیں مولوی احمد علی اور چچا سید حسین سے حاصل کی، اس کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور کیننگ کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد لال اسکول اور پھر کیننگ کالج میں انگریزی پڑھانے پر معمور ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں اتر پردیش سرکار کے محکمۂ دیوانی میں سررشتہ دار کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ ملازمت کا زیادہ تر حصّہ لکھنؤ میں ہی گزارا اور یہیں سے 1917ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

صفیؔ نے 13 سال کی عمر میں ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس فن میں اتنی ترقی کی کہ تمام اصناف سخن پر قدرت حاصل کر لی۔ 1877ء سے لے کر 1950ء تک تقریباً آٹھ دہائی تک پورے لکھنؤ کی بزم ادب کو اپنے فن اور وجود سے رونق بخشتے رہے۔

صفیؔ لکھنوی نے غزل گوئی کے علاوہ قصیدہ، نظم، رباعی، مثنوی اور شخصی مرثیہ جیسی اصناف میں بھی طبع آزمائی کی اور اپنی شاعری میں اپنے عہد کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی موضوعات کو جگہ دی۔ 25/ جون 1950ء کو ان کی وفات ہوئی۔

شامل نصاب سبق صفؔی لکھنوی کا شخصی مرثیہ ''مرثیہ حالؔی'' سے ماخوذ ہے۔اردو شاعری میں چند شخصی مرثیے لکھے گئے ۔جیسے غالبؔ کا ''مرثیہ عارف'' حالؔی کا ''مرثیہ غالبؔ'' اقبال کا ''مرثیہ داغؔ'' وغیرہ۔صفؔی لکھنوی نے ''مرثیہ حالؔی'' لکھ کراس روایت کو آگے بڑھایا۔

حالؔی نہ صرف اردو کے بلند پایہ ادیب،شاعر،نقاداورسوانح نگار تھے بلکہ مصلح قوم بھی تھے۔انھوں نے اپنی ساری زندگی زبان وادب اورقوم کے اصلاح وفروغ اور خدمت میں گزاری۔حالؔی جیسے مجدد شاعر، مصلح قوم اور نیک ومخلص انسان کا دنیا سے اٹھ جانا یقیناً باعث رنج وملال تھا۔صفؔی لکھنوی نے حالؔی کی وفات کا گہرا صدمہ اور تاثر قبول کیا اور اپنے اس صدمے اور تاثر کو نظم کا جامہ پہنا کر مرثیے کی صورت میں پیش کیا۔ یہ مرثیہ مسدس کی ہیئت میں کل بارہ بند پر مشتمل ہے۔

مرثیۂ حالی

اس بزم میں آ کے جانے والا پھر جا کے ادھر نہ آنے والا
کھوٹوں کو کھری سنانے والا اے قوم! ترا جگانے والا
خاموش لحد میں سو رہا ہے
اور اس کو زمانہ رو رہا ہے

سلطان قلم رو خیالی اقلیم سخن کا باب عالی
بے مثل ، مثال بے مثالی شمس العلما جناب حالیؔ
ذی عزت و خواجہ گرامی
الطاف حسین نام نامی

کس بحر سخن کا آ گیا نام بے تاب ہے مد و جزر اسلام
وہ نظم مسدس ایزد انجام ابر باراں گہر کی ریزش عام
راتیں نذر سخن وری کیں
سوکھی ہوئی کھیتیاں ہری کیں

سنجیدہ کلام نغمۂ راز اندوہ ربائے طبع ناساز
سیدھا سادہ وہ اس کا انداز تھا سحر جلال بلکہ اعجاز

پھونکی وہ سخن میں اک نئی روح
زندہ ہوئے پھر قلوب مذبوح
مرحوم تھے یادگار غالبؔ تلمیذ وفا شعار غالبؔ
دم سے ان کے بہار غالبؔ روشن شمع مزار غالبؔ
بے بادہ ہوا ایاغ افسوس
گل ہو گیا اب چراغ افسوس
وہ خضر ادب ، ادیب مشاق فرخندہ سیر ، طبیب اخلاق
یکتاے زماں ، وحید آفاق گر نظم میں فرد ، نثر میں طاق
پاکیزہ خیال ، پاک طینت
جس بزم میں ہو وہاں کی زینت
ختم اس پہ تھی واقعہ نگاری تھا نظم میں لطف نثر عاری
ہر گوشہ میں فیض اس کا جاری ہر کشت رہین آب یاری
اندوہ ربا ، نشاط امید
فرحت افزا ، حیات جاوید
دنیا کا یہی ہے عام دستور ہم بزم ہوں رفتہ رفتہ سب دور
سید کے جو نو رتن ہیں مشہور جن میں اک فرد ذات مغفور
سب نذر اجل ہوئے وہ گوہر
دکھلا گئے اپنے اپنے جوہر

تھا مے کدہ جس جگہ وہیں ہے لیکن پیر مغاں نہیں ہے
ساغر ہے کہیں سبو کہیں ہے دل در طۂ غم میں تہ نشیں ہے

قومی وہ جہاز سارے ڈوبے
ڈوبا چاند اور تارے ڈوبے

ہر چند سبھی یہ نام ور تھے رفتار جہاں سے با خبر تھے
آزاد روی کے راہ بر تھے گویا کہ چراغ رہ گزر تھے

خواجہ لیکن سبھوں میں گل تھا
پانی تھا مزاج ، صلح کل تھا

دل خون کیا جب اس خبر نے آنسو برسائے چشم تر نے
دل سے درخواست کی جگر نے لکھی یہ صفیؔ نوحہ گر نے

تاریخ وفات خواجہ حالیؔ
ہستی حالیؔ سے اب ہے خالی
۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء

معنی اور اشارے:

لحد	قبر، مزار، تربت
اقلیم سخن	شاعری کا ملک
مدوجزر	اتار چڑھاؤ، جوار بھاٹا
مسدس	وہ نظم جس کا ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہو
ابر باراں	برستا ہوا بادل، برسنے والا بادل
اندوہ	رنج، غم، دکھ، تکلیف
اعجاز	کرامت، کرشمہ، معجزہ
مذبوح	جو ذبح کیا جائے، مقتول، حلال کیا ہوا
قلوب	(قلب کی جمع) دل
تلمیذ	شاگرد، مرید
وفا شعار	وفادار
ایاغ	پیالہ، جام، ساغر
فرخندہ	مبارک، خوش آئند، برکت والا، نیک، سعادت مند
طبیب	معالج، علم طب کا جاننے والا، ڈاکٹر
وحید آفاق	یکتا، لاثانی، یکتائے زمانہ
طینت	عادت، خصلت
کشت	کھیت

مغفور	بخشا ہوا، معاف کیا ہوا
نذرِ اجل	موت کی نذر، موت کے حوالے

معروضی سوالات:

1۔ صفیؔ لکھنوی کا اصل نام کیا ہے؟

(i) سید علی نقی (ii) سید تقی احمد

(iii) سید ضامن علی (iv) تقی عابدی

2۔ صفیؔ لکھنوی نے کس عمر میں شعر کہنا شروع کیا؟

(i) 9 برس (ii) 10 برس

(iii) 13 برس (iv) 15 برس

3۔ صفیؔ لکھنوی کے آبا و اجداد کا وطن کہاں تھا؟

(i) عرب (ii) چین

(iii) غزنی (iv) یمن

4۔ 'مرثیہ حالیؔ' کس نے لکھا؟

(i) حالیؔ (ii) صفیؔ لکھنوی

(iii) میر انیسؔ (iv) مرزا دبیرؔ

5۔ صفیؔ لکھنوی کی سنہ وفات کیا ہے؟

(i) 1940ء (ii) 1945ء

(iii) 1948ء (iv) 1950ء

مختصر ترین سوالات:

1۔ ''مرثیہ حالؔی'' کتنے بند پر مشتمل ہے؟

2۔ صفؔی لکھنوی کی سنہ پیدائش کیا ہے؟

مختصر سوالات:

1۔ صفؔی لکھنوی کے مرثیہ نگاری پر روشنی ڈالئے۔

2۔ شخصی مرثیہ کسے کہتے ہیں؟ اپنا خیال ظاہر کیجئے۔

تفصیلی سوالات:

1۔ صفؔی لکھنوی کی حالات زندگی پر روشنی ڈالئے۔

2۔ ''مرثیہ حالؔی'' پر ایک مختصر تنقیدی نوٹ لکھئے۔

(4)

اسرارالحق مجازؔ

[پیدائش 1911ء، وفات 1955ء]

اسرارالحق مجازؔ 19 ر اکتوبر 1911ء کو ردولی ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور 1936ء میں بی۔اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ یہ زمانہ ترقی پسند فکر وتحریک کے پھلنے پھولنے کا تھا۔ ترقی پسند ادیبوں کا ماننا تھا کہ ادب زندگی کا ترجمان ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے ادیبوں نے مظلوموں، مجبوروں، کسانوں، عورتوں اور دبے کچلے لوگوں کے مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں بھی بہت سے ادیب وشاعر ترقی پسند فکر کے حامی تھے۔ مجازؔ اس نظریہ سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی شاعری میں زندگی کے مختلف مسائل کو پیش کیا۔ روزگار کی تلاش میں دہلی گئے اور آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہوگئے۔ ساتھ ہی انجمن ترقی پسند مصنفین کی دہلی شاخ سے بھی وابستہ ہوئے۔

مجازؔ کی شاعری انقلاب اور رومان کا دلکش سنگم ہے۔ ان کی شاعری میں حسن وعشق کے عناصر تو ہیں ہی ساتھ ہی سماج کے مختلف مسائل مثلاً نوجوانوں کی ذہنی کشمکش، الجھن اور دیگر مسائل کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ سادگی، نغمگی، غنائیت مجازؔ کی شاعری کو پُر اثر بناتی ہے۔ کلاسیکی انداز ان کی شاعری کو پرانی روایت سے بھی وابستہ رکھتی ہے۔ ’رات اور ریل‘، ’انقلاب‘، ’اندھیری رات کا مسافر‘، ’سرمایہ داری‘ اور ’آوارہ مجازؔ‘ کی نمائندہ نظمیں ہیں۔ ’آہنگ‘ (1938)، ’شب تاب‘ (1945)، ’سازِ نو‘ (1949) ان کے شعری مجموعے ہیں۔ بہت زیادہ شراب پینے کی وجہ سے بیمار ہوئے اور 1955ء میں لکھنؤ میں انتقال ہوا، وہیں دفن ہوئے۔

سانحہ

(گاندھی جی کی موت سے متاثر ہوکر لکھی گئی)

درد و غمِ حیات کا درماں چلا گیا　　وہ خضرِ عصر و عیسیِ دوراں چلا گیا
ہندو چلا گیا ، نہ مسلماں چلا گیا　　انساں کی جستجو میں اک انساں چلا گیا
برہم ہے زلفِ کفر، تو ایماں ہے سرنگوں　　وہ فخرِ کفر و نازشِ ایماں چلا گیا
بیمار زندگی کی کرے کون دل دہی　　نبّاض و چارہ ساز مریضاں چلا گیا
کس کی نظر پڑے گی اب عصیاں پہ لطف کی　　وہ محرمِ نزاکتِ عصیاں چلا گیا
وہ راز دار محفلِ یاراں نہیں رہا　　وہ غم گسار بزمِ حریفاں چلا گیا
اب کافری میں رسم و رہِ دل بری نہیں　　ایماں کی بات یہ ہے کہ ایماں چلا گیا
اک بے خود سرورِ دل و جاں نہیں رہا　　اک عاشقِ صداقتِ پنہاں چلا گیا
باچشمِ نم ہے آج زلیخائے کائنات　　زنداں شکن وہ یوسفِ زنداں چلا گیا
اے آرزو! وہ چشمۂ حیواں نہ کر تلاش　　ظلمات سے وہ چشمۂ حیواں چلا گیا
اب سنگ وخشت وخاک وخزف سربلند ہیں　　تاجِ وطن کا لعلِ درخشاں چلا گیا

اب اہرمن کے ہاتھ میں ہے تیغ خوں چکاں
خوش ہے کہ دست و بازوئے یزداں چلا گیا

معنی اوراشارے:

درماں	علاج، دوا، حل
سرنگوں	شرمندہ، سر جھکانا
نباض	حکیم، طبیب
عصیاں	نافرمانی، گناہ
رسم وره	میل جول، ربط وضبط
پنہاں	پوشیدہ، خفیہ
ظلمات	اندھیرا، تاریکیاں
چشمۂ حیواں	آب حیات، محبوب کا دہن
سنگ وخشت	پتھر اور اینٹ
خاک وخزف	مٹی اور مٹی کا برتن
لعل درخشاں	قیمتی موتی
اَہرمَن	خالقِ شر، شیطان
یَزداں	خدا تعالیٰ، قدیم میں اہل ایران کا نیکی کا خدا

مختصر ترین سوالات:

1۔ مجاؔز کی جائے پیدائش کہاں ہے؟

2۔ مجاؔز کا حقیقی نام کیا ہے؟

3۔ مجازؔ کس تحریک سے وابستہ تھے؟

4۔ مجازؔ کی وفات کب ہوئی؟

5۔ مجازؔ نے بی۔اے۔ کی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

6۔ 'آہنگ' کب شائع ہوا؟

7۔ مجازؔ کی کسی مشہور نظم کا نام لکھئے؟

مختصر سوالات:

1۔ مجازؔ نے کن موضوعات پر نظمیں لکھیں ہیں؟

2۔ مجازؔ کے شعری مجموعوں کے نام بتائیے۔

3۔ ترقی پسند فکر سے کیا مراد ہے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ مجازؔ کی زندگی اور ان کی شاعرانہ خصوصیات پر ایک نوٹ لکھئے۔

5- قطعہ

قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑا یا جزو کے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی غزل میں کچھ ایسے اشعار آ جاتے ہیں جن میں معنوی اعتبار سے ربط و تسلسل ہوتا ہے اور یہ اشعار جُداگانہ حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ چوں کہ اس کی علاحدہ حیثیت ہوتی ہے اس لیے اُن کے اوپر 'ق' کا نشان یا قطعہ لکھ دیا جاتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ قطعہ بند اشعار ہیں اور ان میں کوئی خیال یا واقعہ تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جیسے میؔر کے یہ اشعار:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا   یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر   میں بھی کبھوکسو کا سرِ پُر غرور تھا
تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میؔر   سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

اس طرح کی مثالوں سے ہماری اردو شاعری بھری پڑی ہے۔ بیشتر شعرا نے اپنی غزلوں میں اس طرح کے طریق کار کو اپنایا ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ قطعہ نگاری کی روایت نہایت قدیم ہے۔ اس لیے اردو میں الگ سے قطعہ لکھنے کی روایت بھی ملتی ہے، بالخصوص جدید دور کے شعرا نے اس روایت کو فروغ دینے میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ قطعہ نگاروں میں اکبؔر الہ آبادی، عبدالحمید عدؔم، نریش کمار شاؔد، سمیع اللہ اسؔد، اعزاز افضؔل، احمد ندیم قاسمؔی، سردار جعفری، اخترؔ انصاری، اسرارالحق مجاؔز وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے مختلف موضوعات پر تشفی بخش قطعات لکھ کر اردو شاعری کے دامن کو وسیع کیا ہے۔

(1)

اکبرالہ آبادی

[پیدائش 1846ء، وفات 1921ء]

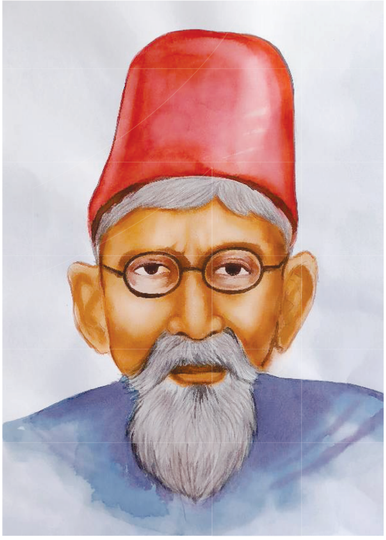

نام سید اکبر حسین، تخلص اکبر 1846ء میں ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ 1857ء میں ان کی عمر جب محض 11/ برس تھی تب ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کا سانحہ درپیش آیا۔ اس میں ہندوستانیوں کی ناکامی سے نہ صرف انگریزوں کا سیاسی تسلط قائم ہو گیا بلکہ ان کے اقتدار کے زیر اثر مغرب کی مادیت اور صارفیت کی تہذیب کو بھی پھلنے پھولنے کا بھرپور موقع ملا۔ نتیجتاً عوام سیاسی محکومی کے ساتھ مغرب کی ذہنی غلامی کے بھی شکار ہو گئے۔ اکبرالہ آبادی مغرب سے مرعوبیت اور اس کی کورانہ تقلید کے خلاف تھے۔ اسی لیے انھوں نے مغربی طرز معاشرت، لباس، جدید آلات اور جدید تعلیم اور مغرب سے آئی ہوئی ہر چیز کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا۔

اکبر چونکہ سرکاری ملازم تھے اس لیے انگریزوں کی کھلے الفاظ میں نہ تو مخالفت کر سکے اور نہ ہی کسی اصلاحی تحریک کا حصہ بن سکے بلکہ اپنی ساری قوتِ تخلیق کو مغربیت کی مخالفت میں صرف کر دیا۔ ان کی اس کوشش سے ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہوا اور نئے نئے خیالات و موضوعات سے اردو شاعری کا دامن بھر گیا۔ وہ اپنے طرز کے واحد شاعر ہیں۔

ختم بہار

ختم کیا صبا نے رقص، گل پہ نثار ہو چکی　　جوشِ نشاط ہو چکا صوتِ ہزار ہو چکی
رنگِ بنفشہ مٹ گیا، سنبلِ تر نہیں رہا　　صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی
رُت وہ جو تھی بدل گئی، آئی، بس اور نکل گئی　　تھی جو ہوا میں نکہتِ مشک تتار ہو چکی
اب تک اسی روش پہ ہے اکبرِ مست و بے خبر　　کہہ دے کوئی عزیزِ من فصلِ بہار ہو چکی

مشرق و مغرب

مشرق میں کشش ہے روحانی　　مغرب میں ہے میلِ جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں　　ڈارون بولے بوزنا ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست　　فکر ہر کس بقدرِ ہمت اُوست

نئی روشنی

چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور　　کیوں کر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے
البتہ ایک عرض کروں گا دبی زباں　　گو خوش نما بہت ہے مگر بے اصول ہے

کش مکش

قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر اکبرؔ تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا
جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں خود اپنی قوم مچاتی ہے شور و واویلا
جو اعتدال کی کہیے تو وہ ادھر نہ ادھر زیادہ حد سے دیے پاؤں سب نے ہیں پھیلا
ادھر یہ ضد ہے کہ لمنڈ بھی چھو نہیں سکتے ادھر یہ دُھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا
ادھر ہے دفترِ تدبیر و مصلحت ناپاک ادھر ہے وحیِ ولایت کی ڈاک کا تھیلا

معنی اور اشارے:

صبا	ہوا
ہزار	بُلبل
صوت	آواز
رقص	ناچ،گھومنا
نشاط	خوشی
سنبل	ایک قسم کی خوشبودار گھاس
نکہت	خوشبو،مہک
ہمت اوست	ہمت اس کی ہے
بوزنا	بندر
قدیم	پرانا
جدید	نیا
اعتدال	توازن، بیچ کا
تدبیر	کسی مسئلے کا عملی حل،سوچ وچار
مصلحت	حکمت عملی،حکمت ،بہتر اور مناسب اقدام

معروضی سوالات:

1۔ اکبرالہ آبادی کہاں پیدا ہوئے؟

(i) لکھنؤ (ii) پریاگ راج

(iii) کانپور (iv) دہلی

2۔ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کب ہوئی ؟

(i) 1825ء (ii) 1837ء

(iii) 1857ء (iv) 1867ء

3۔ ڈارون کون تھا؟

(i) شاعر (ii) موسیقار

(iii) تاجر (iv) علمِ صوتیات کے ماہر

مختصر ترین سوالات:

1۔ اکبر کی شاعری کا موضوع کیا تھا؟

2۔ 'مشرق' سے کیا مراد ہے؟

3۔ منصور کون تھا؟

مختصر سوالات:

1۔ 'نئی روشنی' سے کیا مراد ہے؟

2۔ مغربی تہذیب کسے کہتے ہیں؟

تفصیلی سوالات:

1۔ اکبرالہ آبادی کی طنزیہ ومزاحیہ شاعری پر ایک نوٹ لکھئے۔

(2)

ڈاکٹر محمد اقبال

[پیدائش 1877ء، وفات 1938ء]

علامہ اقبال 9/نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ والد شیخ نور محمد نیک سیرت اور صوفی مشرب شخص تھے۔ چنانچہ انھوں نے اقبال کی اخلاقی تعلیم اور تربیت پر خاص توجہ صرف کی۔ اقبال کو مولوی میر حسن کی شاگردی میں دے دیا جن سے انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ سیالکوٹ میں اسکولی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اقبال نے لاہور کا رخ کیا اور گورنمنٹ کالج سے 1897ء میں بی۔اے۔ اور 1899ء میں ایم۔اے (فلسفہ) کی ڈگری حاصل کی۔ یہیں ان کی ملاقات پروفیسر آرنلڈ سے ہوئی جن سے اقبال بہت متاثر ہوئے۔ 1903ء میں اقبال بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور سے منسلک ہوئے لیکن علم کی تشنگی کے باعث وہ یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہر نہ سکے اور مزید تعلیم کے لیے

یورپ چلے گئے۔ قانون کی تعلیم کے علاوہ میونخ یونیورسٹی جرمنی سے فلسفہ میں پی ایچ۔ ڈی کی تکمیل کی۔ مغربی اقدار وتہذیب کا بھی غائر مطالعہ کیا۔ مغربی تہذیب کی کشمکش، اقدار کی بے راہ روی، مادہ پرستی اور صارفیت نے ان کے دل کو بے چین کر دیا۔ یورپ سے واپس آ کر وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ درس وتدریس سے بھی وابستہ ہوئے لیکن ان کے فکر ونظر نے اپنے اظہار کے لیے شاعری کا راستہ منتخب کیا اور اپنی زندگی میں ہی اپنی اردو اور فارسی شاعری کے ذریعہ پوری دنیا میں مشہور ومقبول ہو گئے۔ ہمالہ ان کی پہلی نظم ہے جو مخزن میں شائع ہوئی۔ اپنے ابتدائی دور میں وطنی شاعری اور بچوں سے متعلق نظمیں تخلیق کیں لیکن جیسے جیسے فکر میں بالیدگی اور پختگی آتی گئی ملک وملت کے مسائل اور فلسفیانہ مضامین کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اصلاً ان کی شاعری ''احترام آدمیت'' سے عبارت ہے۔ بنی نوع انسان سے محبت ہی ان کی شاعری کا پیغام ہے۔ وہ فلسفۂ خودی کے ذریعہ اپنے وجود کی شناخت اور اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر بہت زور دیتے ہیں اور اس کے لیے شاہین کا استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ اقبالؔ کی شاعری اُمید کی ترجمان ہے جو زندگی میں حوصلہ اور ولولہ پیدا کرنے کا درس دیتی ہے۔

شاعری میں داغؔ سے اصلاح لی، فارسی شاعری میں رومیؔ سے بہت متاثر تھے۔ 'بانگِ درا'، 'بالِ جبریل'، 'ضرب کلیم'، 'ارمغان حجاز' ان کے اردو شعری مجموعے ہیں۔ 21/اپریل 1938ء کو لاہور میں انتقال کیا اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔

مُلّا اور بہشت

مَیں بھی حاضر تھا وہاں ، ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرتِ مُلّا کو ملا حکمِ بہشت!
عرض کی میں نے ، الٰہی! مری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حُور و شراب ولبِ کشت
نہیں فردوس مقامِ جدَل و قال اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بد آموزیِ اقوام و مِلل کام اس کا
اور جنّت میں نہ مسجد ، نہ کلیسا، نہ کُنِشت!

معنی اوراشارے:

بہشت	جنت
سخن	بات
تقصیر	قصور، خطا
فردوس	جنت کا نام
جدل	لڑائی، جھگڑا، تکرار، فساد
قال اقول	بحث وتکرار
سرشت	فطرت، طبیعت، عادت، خصلت
بدآموزی	بری بات سیکھا
کنشت	یہودیوں کا عبادت خانہ
مِلل	ملّت کی جمع، مذاہب

معروضی سوالات:

1۔ اقبالؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

(i) 9/نومبر 1977 سیالکوٹ (ii) 10/اکتوبر 1870 دہلی

(iii) 8/جولائی 1960 کانپور (iv) 9/اگست 1890 لکھنؤ

2۔ ملاّ اور بہشت کس شاعر کا قطعہ ہے؟

(i) غالبؔ (ii) اقبالؔ

(iii) اکبرؔ (iv) حالیؔ

3۔ اقبالؔ کی پہلی نظم کون سی ہے؟

(i) جگنو (ii) شمع و شاعر

(iii) شعاعِ اُمید (iv) ہمالہ

4۔ اقبالؔ کس کے شاگرد تھے؟

(i) میر حسنؔ (ii) میر انیسؔ

(iii) میر تقی میرؔ (iv) مرزا غالبؔ

5۔ اقبالؔ کا انتقال کب ہوا؟

(i) 1938 (ii) 1940

(iii) 1920 (iv) 1950

مختصر ترین سوالات:

1۔ اقبالؔ کب پیدا ہوئے؟

2۔ ہمالہ نظم کس رسالہ میں شائع ہوئی؟

3۔ اقبالؔ نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کہاں سے حاصل کی؟

4۔ اقبالؔ نے شاعری میں کس سے اصلاح لی۔

5۔ اقبالؔ نے ابتدائی تعلیم کس استاد سے حاصل کی؟

6۔ اقبالؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

7۔ اقبالؔ نے کس کالج میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔

8۔ اقبالؔ فارسی شاعری میں کس شاعر سے متاثر تھے؟

مختصر سوالات:

1۔ اقبالؔ نے کن موضوعات پر شاعری کی؟

2۔ ’احترام آدمیت‘ سے کیا مراد ہے؟

3۔ ’فلسفۂ خودی‘ کیا ہے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ ’ملّا اور بہشت‘ کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھئے۔

(3)

جوشؔ ملیح آبادی

[پیدائش 1898ء، وفات 1982ء]

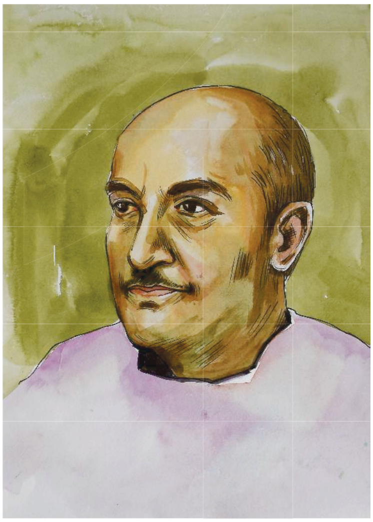

جوشؔ کا اصل نام شبیر حسن خاں تھا۔ ان کی ولادت 13/دسمبر 1898ء کو ملیح آباد، لکھنؤ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے آگرہ و علی گڑھ کا رُخ کیا۔ جوش بنگلہ زبان کے شاعر رابندرناتھ ٹیگور سے بہت متاثر تھے، جن کے نقوش ان کی تخلیقات میں بھی نمایاں ہیں۔ وہ عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ سے وابستہ رہے، پھر 1934ء میں دِلّی گئے اور وہاں سے رسالہ 'کلیم' جاری کیا۔ اردو رسالہ 'آج کل' کے بھی مدیر رہے۔ تقسیم ہند کے بعد جوشؔ 1956ء مس پاکستان چلے گئے اور ترقی بورڈ اردو کراچی سے وابستہ ہو گئے۔ آخر فروری 1982 میں اس دنیا سے کوچ کر گئے اور اسلام آباد میں ہی ان کی تدفین ہوئی۔

جوشؔ بنیادطور پرنظم کے شاعر ہیں۔لیکن انھوں نے غزلیں، رباعیاں اورقطعات بھی کہے ہیں۔وہ ایک جذباتی، رنگین مزاج اورحسن پرست شاعر ہونے کے ساتھ فطرت سے بھی بہت متاثر تھے۔انھوں نے اپنے دور کا بھی گہرااثر قبول کیااوراپنی شاعری میں تحریک آزادی کوموضوع بنایا۔وہ اپنے جذبات کا اظہار بڑے جوشیلے اور باغیانہ انداز میں کرتے تھے۔اس لیے ان کی شاعری دلوں میں جوش وولولہ پیدا کرتی ہے۔جوشؔ کے پاس الفاظ کا ذخیرہ تھا اس لیے انھوں نے ایک ہی مضمون کو نئے نئے ڈھنگ سے کہا ہے۔وہ اپنے خیال میں ایک دلکش وطلسمی فضاتخلیق کرتے ہیں۔جوشؔ کا شعری سرمایہ وسیع ہے۔ایک درجن سے زیادہ ان کے شعری مجموعے ہیں۔'روح ادب'، 'سیف وسبو'، 'سنبل وسلاسل'، 'آیات ونغمات'، 'جنون وحکمت'، 'نقش ونگار'، 'شعلہ وشبنم'، 'حرف وحکایت'، 'فکرونشاط' ان کے مشہورشعری مجموعے ہیں۔

انتظار

جس طرح گنجان باغوں کی ہوا وقت غروب　شام کے انفاس سے بنتی ہے آہ سوگوار
کنج سے آتی ہے اک مرطوب بوجھل سی شمیم　منجمد سی بھاپ ہوتی ہے کنار جوے بار
سینۂ خنکی پہ ہوتا ہے حرارت کا دباؤ　حسرت شبنم میں خوں روتی ہے چشم برگ و بار
یوں ہی ہوجاتے ہیں جب کچھ دن انھیں دیکھے ہوئے　روح ہوجاتی ہے بوجھل اورسینہ تنگ دمار
اٹھنے لگتی ہے برابر ہون مو سے ایک آنچ　جس سے آتی ہے تمنّا کی شمیم سوگوار
اور کچھ آنکھوں میں یوں آنسو مچلتے ہیں ندیم
ماہ تاباں کا ستاروں کو ہو جیسے انتظار

معذرت

ہنسا میں اور زمانے کی خوشی کا چڑھ گیا پارا　معاً دنیا نے میرے قہقہے پر قہقہہ مارا
مگر کھینچی جب آہ سرد ، قلب ناشکیبا نے　تو غم خواری کجا ، مڑ کر نہ دیکھا مجھ کو دنیا نے
کیا میں نے کہ اے وہ زلف جو برہم نہیں ہوتی　شریک عیش ہوتی ہے ، شریک غم نہیں ہوتی
یہ سنتا تھا کہ دنیا نے کہا نیچی نگاہوں سے
کہ مجھ کم بخت کو فرصت نہیں خود اپنی آہوں سے

معنی اور اشارے:

غروب	ڈوبنا
انفاس	سانسیں
مرطوب	بھیگا ہوا، گیلا
منجمد	جمع ہوا، ٹھہرا ہوا
شمیم	خوشبو
قلب	دل
ناشکیبا	ناشکرا
کم بخت	بدقسمت

معروضی سوالات:

1۔ جوشؔ کا سنہ ولادت بتائیں۔

(i) 1885ء (ii) 1888ء

(iii) 1889ء (iv) 1898ء

2۔ جوشؔ کس بنگالی شاعر سے متاثر تھے؟

(i) نذرالاسلام (ii) بنکم چند چٹرجی

(iii) ٹورودت (iv) رابندرناتھ ٹیگور

3۔ جوشؔ کی مشہور رباعی کا نام کیا ہے؟

(i) انتظار (ii) تاج

(iii) نئی روشنی (iv) کشمکش

4۔ ماہ تاباں سے کیا مراد ہے؟

(i) نیا چاند (ii) مکمل چاند

(iii) چمکتا ہوا چاند (iv) مدھم چاند

5۔ کس شاعر کو انقلابی شاعر کہا جاتا ہے؟

(i) جوشؔ (ii) فراقؔ

(iii) فیضؔ (iv) جذبیؔ

مختصر ترین سوالات:

1۔ جوشؔ کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ جوشؔ کی مشہور دو رباعیوں کے نام لکھیں۔

مختصر سوالات:

1۔ کیا جوشؔ اپنے عہد سے متاثر تھے؟ سمجھائیں۔

2۔ جوشؔ کے مشہور شعری مجموعے کون سے ہیں۔

3۔ 'کہ مجھ کم بخت کو فرصت نہیں خود اپنی آہوں سے' اس قطعے میں کس کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے۔

تفصیلی سوالات:

1۔ جوشؔ کی حالات زندگی پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ جوشؔ کے قطعات کی خصوصیات بیان کیجیے۔

(4)

اختر انصاری

[پیدائش 1909ء، وفات 1986ء]

اصل نام محمد ایوب انصاری تھا لیکن اردو ادب میں اختر انصاری کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی پیدائش یکم اکتوبر 1909ء کو اتر پردیش کے ضلع بدایوں میں ہوئی۔ ان کے والد دہلی کے ایک اسپتال میں اسسٹنٹ سول سرجن تھے اور دہلی کو ہی اپنا وطن ثانی بنا لیا تھا اس لیے اختر انصاری بھی دہلی آ گئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم قدیم اینگلو عربی کالج میں پائی۔ یہیں سے 1924ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد انھوں نے 1926ء میں ہندو کالج سے انٹر میڈیٹ امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اس کے بعد دوبارہ سینٹ اسٹیفن کالج آ گئے جہاں سے 1930ء میں انھوں نے بی۔ اے آنرس تاریخ مضمون کے ساتھ پاس کیا۔ 1931ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے لیکن والدہ کی ناگہانی موت ہو جانے کی وجہ سے واپس آ گئے۔ 1934ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔ اے کیا۔ اسی سال کے آخر میں وہ شعبۂ اردو علی گڑھ میں لکچرار کے عہدہ پر فائز ہوئے جہاں 1950ء تک استاد کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد اسی یونیورسٹی کے ٹریننگ کالج میں منتقل ہو گئے جہاں سے 1971ء میں اپنی تدریسی خدمت سے سبکدوش ہوئے۔ 5/اکتوبر 1986ء کو ان کی وفات علی گڑھ میں ہوئی۔

اختر انصاری بلا کی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کا تخلیقی و تنقیدی شعور بالیدہ تھا۔ انھوں نے نظم و نثر دونوں میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ شاعر بھی تھے، افسانہ نگار بھی تھے اور نقاد بھی۔ شاعر کی حیثیت سے ان کا مقام زیادہ بلند ہے۔ انھوں نے غزل، رباعی، نظم، قطعہ اور مثنوی جیسی اصناف میں طبع آزمائی کی اور کامیاب بھی ہوئے

لیکن ایک قطعہ نگار کے طور پر ان کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ رومانی مزاج رکھنے والے شاعر تھے۔ ان کے قطعات رومانی جذبات سے مامور ہیں۔ ان کے شعری مجموعوں میں غیر عشقیہ شاعری کے نمونے بھی ملتے ہیں، لیکن ان میں وہ بات نہیں جو ان کی رومانی شاعری میں ہے اور یہی ان کی شناخت کا وسیلہ ہے۔ ''نغمۂ روح''، ''خوناب''، ''آبگینے''، ''پرطاؤس''، ''شعلہ بکف''، ''خندہ سحر''، ''دہان زخم''، ''ایک قدم اور سہی''، ''سرود جاں''، ''شعلہ بجام'' اور مثنوی دردو داغ'' ان کی شعری تصنیفات ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے بھی خاطر خواہ تعداد میں ہیں۔ 'اندھی دنیا'، 'نازو'، 'خونی'، 'لوایک قصہ سنو' اور 'یہ زندگی' ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔

اختر انصاری اپنے دور کے ایک ممتاز نقاد بھی تھے اور 'افادی ادب'، 'مطالعہ وتنقید'، 'حالی کا تنقیدی شعور'، 'غزل اور درس غزل'، 'غزل اور غزل کی تعلیم' اور 'غزل کی سرگزشت' جیسی تنقیدی نگارشات ان کی اعلیٰ ناقدانہ صلاحیت کی غمازی کرتی ہیں۔

تعارف سبق: زیر درس قطعات اختر انصاری کے مجموعہ کلام سے ماخوذ ہیں۔ پہلے قطعہ میں تاج محل کی خوبصورتی کا بہت ہی حسین انداز میں بیان کیا گیا ہے، دوسرے قطعہ میں رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری کا تذکرہ اور تیسرے قطعہ میں رومانیت کا تذکرہ کیا ہے۔

تاؔج

(چاندنی رات میں)

چاندنی رات کا سماں ، تاؔج کا منظرِ جمیل   چھائی ہوئی ہیں مستیاں کیفیتوں کا دور ہے
قلزمِ نور چاندنی ، کشتیِ نور تاؔج گنج   نور میں نور مِل گیا ، تاؔج نہیں کچھ اور ہے

ٹیگوؔر کی شاعری

جب دھیمے سُروں میں گاتا ہوں ٹیگور کی شیریں نظم کوئی
اُس وقت مجھے محسوس یہ ہوتا ہے کہ نشیلی کیفیتیں

تحلیل فضاؤں میں ہو کے چھائی ہیں جہانِ بُستاں پر
بُستاں میں پڑا ہے اِک جُھولا اور جُھول رہا ہوں میں اُس میں

معنی اور اشارے:

سماں	کیفیت، حالت
منظر	نظارہ، صورت
جمیل	حسین، خوبصورت
قلزم	گہرا سمندر
نور	روشنی، اجالا
شیریں	میٹھا، خوشگوار
تحلیل	گھلنا، گھل مل جانا، حل ہونا
بُستاں	بوستاں کا مخفف، باغ

معروضی سوالات:

1۔ اختر انصاری نے ابتدائی تعلیم کہاں سے ہوئی؟

(i) ہندو کالج　(ii) سینٹ اسٹیفن کالج

(iii) جی آئی سی کالج　(iv) قدیم اینگلو عربی کالج

2۔ اختر انصاری کس یونیورسٹی میں لیکچرر کے عہدے پر فائز ہوئے؟

(i) بنارس ہندو یونیورسٹی　(ii) جواہر لعل نہرو یونیورسٹی

(iii) الہ آباد یونیورسٹی　(iv) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مختصر ترین سوالات:

1۔ اخترؔ انصاری کا اصل نام کیا تھا؟

2۔ اخترؔ انصاری کا انتقال کہاں ہوا تھا؟

3۔ اخترؔ انصاری نے کون کون سی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے؟

4۔ اخترؔ انصاری کی مثنوی کا کیا نام ہے؟

مختصر سوالات:

1۔ اخترؔ انصاری کے کسی تین شعری مجموعوں کے نام لکھیے۔

2۔ اخترؔ انصاری کی تین تنقیدی کتابوں کے نام بتایئے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ اخترؔ انصاری کی شاعری میں کس طرح کے جذبات پائے جاتے ہیں؟

2۔ اخترؔ انصاری کی قطعہ نگاری پر روشنی ڈالیے۔

3۔ اخترؔ انصاری کے حالات زندگی پر ایک مضمون لکھیے۔

6- رُباعی

رُباعی اردو شاعری کی ایک چھوٹی سی لیکن اہم صنف ہے۔ اس میں عام طور پر فلسفیانہ، اخلاقی، تفکیری اور عشقیہ مضامین بیان کئے جاتے ہیں۔ رباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''چار چار'' اصطلاح میں اس شعری صنف سخن کو کہتے ہیں جو چار مصرعوں پر مبنی ہو۔ اور فکر و خیال کے لحاظ سے مکمل ہو، رباعی کے چاروں مصرعوں میں خیال مربوط و مسلسل ہوتا ہے اور آخری مصرعے میں خیال کی تکمیل ہوتی ہے اس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرعے میں اگر قافیہ لایا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ رباعی کے لیے ایک خاص وزن مخصوص ہے۔

رباعی کے لیے چند اور باتیں بھی اہم اور ضروری ہیں، اس میں جو مضمون بیان کیا جائے وہ اچھوتا ہو، جو خیال پیش کیا جائے وہ بلند ہو اور انداز بیان میں دلکشی اور جاذبیت پائی جائے۔ اس کا آخری مصرعہ زیادہ پرزور ہوتا ہے، جسے حاصل رباعی سمجھنا چاہیئے، اور ایسا محسوس ہو کہ رباعی کا پورا مضمون اس میں سمٹ آیا ہو۔

رباعی کا ابتدائی نام ترانہ تھا، اسے دوبیتی بھی کہتے ہیں، اس میں موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہر قسم کے مضامین اس میں نظم کئے جاتے ہیں۔

رباعی ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ جعفؔر، حسرتؔ لکھنوی، میر انیسؔ اور پیارے صاحب رشیدؔ نے رباعی کی طرف خاص طور پر دھیان دیا۔ امجؔد حیدرآبادی اور جگ موہن لعل رواںؔ نے صرف رباعیوں کی وجہ سے اردو شاعری میں خاص پہچان بنائی ہے۔ جوشؔ، مذاقؔ اور شفیقؔ جونپوری نے بھی اس صنف کو وسیلۂ اظہار کا ذریعہ بنایا۔

(1)

میر انیسؔ

میر انیسؔ اردو کے سب سے بڑے مرثیہ گو شاعر ہیں، مرثیہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے رباعی پر بھی توجہ دی اور اس صنف میں بھی خوب نام پیدا کیا۔ ان کی پیش روؤں میں خود ان کے دادا میر غلام حسن دہلوی نے رباعی کا اہتمام کیا۔ اس کے علاوہ متصوفانہ موضوعات کو رباعی میں پیش کرنے کا رجحان عام رہا ہے۔ میر انیسؔ نے تقریباً چھ سو رباعیاں کہی ہیں۔ ان میں وہ تمام موضوعات مل جاتے ہیں جن کو اب تک رباعی گو شعراء نظم کرتے آئے تھے۔ مگر میر انیسؔ نے زیادہ تر رثائی رباعیوں کا التزام رکھا۔ بہ اعتبار موضوعات میر انیسؔ کی رباعیوں کو تین زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مذہبیات، اخلاقیات اور ذاتیات۔ لیکن اس تقسیم کے قطع نظر میر انیسؔ نے فلسفہ و حکمت، دنیا کے بے ثباتی اور سماجی مسائل کو بھی اپنی

رباعیوں کا موضوع بنایا ہے۔

میر انیسؔ کی رباعیوں میں خود کلامی کی فضا ملتی ہے۔وہ خارجی حقائق کو کسی نہ کسی لحاظ سے داخلی بنا کر پیش کرتے ہیں۔وہ موضوعات کی مناسبت سے لفظیات کا استعمال کرتے ہیں۔وہ اپنی رباعیوں میں لہجے کی ہمواری اور خیال کی سبک روی سے قاری یا سامع کو متوجہ کر لیتے ہیں۔ان کی رباعیاں قادرالکلامی اور زورِ تخیل کے ساتھ ساتھ ان کے مشاہدہ و مطالعہ کا عمدہ نمونہ ہے۔ان کے رباعیوں میں زبان کی صفائی اور معنویت کے ساتھ ساتھ خیالات کی بلندی بھی نظر آتی ہے۔

بہرحال میر انیسؔ کی رباعیوں نے اردو شاعری کے سرمایہ میں ایک وقیع اضافہ کیا، اگر وہ مرثیہ نہ کہتے تو ان کی رباعیاں بھی اس بلند مرتبہ کی ہیں جو ان کی حیات ابدی کی ضامن بن جاتیں۔

(1)

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو　　آنکھیں جسے ڈھونڈھتی ہیں وہ نور ہے تو
قربت رگ جاں سے اس پہ یہ بعد　　اللہ! اللہ! کس قدر دور ہے تو

(2)

سائے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانا ہوں　　جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانا ہوں
دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں میں　　جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانا ہوں

(3)

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے　　جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگ دل ہوتے ہیں　　دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

(4)

پرساں کوئی کب جوہر ذاتی کا ہے　　ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا　　رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

معنی اوراشارے:

مستور	چھپا ہوا، پوشیدہ
نور	روشنی
رگِ گُلو	شہ رگ، رگِ جاں
بُعد	دور
وحشت	خوف، ڈر، گھبراہٹ، اداسی
دام	جال
دانا	عقلمند
قوی	طاقتور
ناتواں	کمزور
مطیع	فرمانبردار
سنگ دل	بے رحم، ظالم، جفا کار، سخت دل
دنداں	دانت
صف بستہ	قطار باندھے ہوئے
پُرساں	پوچھنے والا
جوہر ذاتی	فطری صلاحیت
گلہ	شکایت
کم التفاتی	کم توجہ

وجہ گریہ	رونے کا سبب
بے ثباتی	ناپائیدار

معروضی سوالات:

1۔ رباعی کس زبان کا لفظ ہے؟

(i) اردو (ii) عربی

(iii) فارسی (iv) ترکی

2۔ رباعی میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

(i) دو (ii) تین

(iii) چار (iv) چھ

3۔ رباعی کے کس مصرعے پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے؟

(i) پہلے (ii) دوسرے

(iii) تیسرے (iv) چوتھے

4۔ میر انیسؔ کے دادا کا کیا نام تھا؟

(i) میر غلام حسن (ii) میر غلام حسین

(iii) میر حسنین (iv) میر ضاحک

5۔ میر انیسؔ نے کس صنف شاعری میں نام پیدا کیا؟

(i) غزل (ii) قصیدہ

(iii) مرثیہ (iv) مثنوی

مختصر ترین سوالات:

1۔ رباعی کی تعریف کیجئے۔

2۔ رباعی کی خصوصیات بیان کیجئے۔

مختصر سوالات:

1۔ کسی تین رباعی گوشاعر کا نام لکھئے۔

2۔ بہ اعتبار موضوعات میر انیس کی رباعیوں کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

تفصیلی سوالات:

1۔ میر انیسؔ کی رباعی نگاری کی خصوصیات بیان کیجئے۔

(2)

پیارے صاحب رشیدؔ

[پیدائش 1847ء، وفات 1918ء]

پیارے صاحب رشیدؔ کا اصل نام سید محمد مصطفیٰ مرزا تھا۔ رشیدؔ تخلص کرتے تھے اور پیارے صاحب عرفیت تھی۔ مشہور مرثیہ گو شاعر میر انیسؔ کے نواسے تھے۔ 1847ء میں لکھنو میں پیدا ہوئے اور ضروریاتِ زمانہ کے مطابق تعلیم پائی۔ گھر میں شعر و شاعری کا ماحول تھا۔ ان کے والد احمد مرزا صابر بھی شاعر تھے اور ان کے چچا عشقؔ و تعشقؔ لکھنوی کا شمار بھی اہم ترین شاعروں میں ہوتا تھا۔ علم و ادب کی اس بھرپور فضا میں رشیدؔ لکھنوی کی پرورش اور تربیت ہوئی۔ ابتدا سے ہی شاعری کی طرف ان کا رجحان تھا۔ اپنا کلام اپنے چچا عشقؔ کو دکھاتے تھے اور کبھی کبھی میر انیسؔ سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ عشقؔ کے بعد اپنے دوسرے چچا تعشقؔ سے بھی مشورۂ سخن لیا۔ اور سچ پوچھئے تو انھیں کا رنگ ان کی غزلوں اور مرثیوں پر زیادہ غالب رہا۔ رشیدؔ کی توجہ زیادہ تر زبان پر تھی اور اپنے استاد میر انیسؔ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ رشید کے پیچھے اگرچہ مرثیے کی ایک ثروت مند اور توانا روایت تھی، لیکن اس کے باوجود ان کے یہاں زبان و بیان اور موضوعات کی سطح پر تازگی اور ندرت کا احساس ہوتا ہے۔

رشیدؔ لکھنوی نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ غزلیں، مرثیے، سلام اور رباعیاں بکثرت کہیں، لیکن ان کا شاعرانہ کمال ان کی وہ رباعیاں ہیں جس میں انھوں نے عرصہ شباب اور عرصۂ پیری کو موضوع سخن بنایا ہے۔ بالخصوص وہ رباعیاں جو بڑھاپے پر کہی گئی ہیں، بہت مؤثر اور دل چسپ ہیں۔ اس موضوع کو سلسلہ دار انداز میں جس خوبصورتی کے ساتھ رشید نے برتا، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ 1918ء میں ان کا انتقال ہوا۔

(1)

ایسا بھی نہ انقلاب دیکھا ہوگا   کب میری طرح شباب دیکھا ہوگا
کہتا ہوں جو میں کہ تھی جوانی میری   پیری کہتی ہے خواب دیکھا ہوگا

(2)

طفلی میں جو تھا، وہ دل ہمارا نہ رہا   بعد اُس کے شباب کا سہارا نہ رہا
فصلِ پیری میں دانت سب ٹوٹ گئے   آئی جو سحر تو کوئی تارا نہ رہا

(3)

پیری سے خاک مہربانی نہ ہوئی   وقت آخر بھی کامرانی نہ ہوئی
یوں توڑتا دم کہ دیکھنے لوگ آتے   افسوس ہے اس وقت جوانی نہ ہوئی

(4)

کیا بات ہے کس خوف سے تھرّاتا ہوں   کچھ قوّت و طاقت میں کمی پاتا ہوں
پیری تو جوانی سے گراں قدر نہیں   کیا بوجھ پڑا ہے کہ جھکا جاتا ہوں

(5)

کب کوئی بلا نگاہ بانی سے رُکی   اک لحظہ نہ موت زندگانی سے رُکی
پیری کا نام گو ضعیفی ہے رشیدؔ   پر ایسی قوی جو نہ جوانی سے رُکی

معنی اور اشارے:

انقلاب	تبدیلی
شباب	جوانی
پیری	بڑھاپا
طفلی	بچپن کا دور
فصلِ پیری	بڑھاپے کا موسم، مراد: بڑھاپا
سحر	صبح
ضعیفی	کمزوری
قوی	طاقتور
لحظہ	لمحہ

معروضی سوالات:

1۔ پیارے صاحب رشیدؔ کا اصل نام کیا تھا؟

(i) سید محمد موسیٰ مرزا (ii) سید محمد کاظم مرزا

(iii) سید محمد مصطفیٰ مرزا (iv) سید محمد مجتبیٰ مرزا

2۔ پیارے صاحب رشیدؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(i) لکھنؤ (ii) کانپور

(iii) اُناؤ (iv) فیض آباد

3۔ رشیدؔ لکھنوی کا میر انیس سے کیا رشتہ ہے؟

(i) بھتیجے کا (ii) نواسے کا

(iii) پوتے کا (iv) بھانجے کا

4۔ پیارے صاحب رشیدؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

(i) امجد مرزا (ii) عسجد مرزا

(iii) احمد مرزا (iv) اختر مرزا

مختصر ترین سوالات:

1۔ پیارے صاحب رشیدؔ نے شاعری میں کس سے مشورہ سخن کیا۔

2۔ پیارے صاحب رشیدؔ کی رباعیوں کا اصل موضوع کیا ہے؟

مختصر سوال:

1۔ پیارے صاحب رشیدؔ کی رباعیوں کی خصوصیات بیان کیجئے۔

تفصیلی سوال:

1۔ رباعی میں پیارے صاحب رشیدؔ کا اصل امتیاز کیا ہے؟

(3)

امجؔد حیدرآبادی

[پیدائش 1866ء، وفات 1961ء]

دکن کی جن نامور شخصیتوں نے شعروادب کی دنیا میں منفرد مقام حاصل کیا، ان میں امجؔد حیدرآبادی کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ امجؔد حیدرآبادی کا اصل نام سید احمد حسین اور تخلص امجؔد تھا۔ 1866ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم ان کی والدہ کے زیرسایہ گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد مشہور دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ میں داخل ہوئے جہاں انھوں نے چھ سال تک دینی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے عبدالوہاب باری اور سید علی شاشتری سے فلسفہ کی بھی تعلیم حاصل کی۔ مزید برآں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔

مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں تکمیل کے بعد امجؔد حیدرآبادی بنگلور چلے گئے جہاں انھوں نے بنگلور سٹی ہائی اسکول میں تدریسی خدمات انجام دی۔ اس کے بعد حیدرآباد لوٹ آئے جہاں محکمہ محاسبی میں پچیس سال تک معاون محاسب کی خدمات انجام دے کر وظیفہ یاب ہوئے۔

امجؔد حیدرآبادی کی زندگی کا ایک اہم حادثہ 1908ء میں موسی ندی میں آئی قیامت خیز طغیانی ہے جس نے انھیں بے یارومددگار اور تنہا کردیا۔ اس طغیانی کے قہر نے امجد حیدرآبادی کو اپنے مکان اور اہل وعیال سے محروم کردیا۔ اس المناک واقعہ نے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے، جس کا اظہار انھوں نے ایک نظم ''قیامت صغریٰ'' میں کیا ہے۔

شاعری کی ابتدا میں امجؔد نے دیوان ناسؔخ کا خوب مطالعہ کیا، اساتذہ کرام سے کلام پر اصلاح لی۔ انھیں

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا، جس کے اثرات ان کی شاعری میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا کام انجام دیا۔ ان کے کلام میں صوفیانہ انداز بیان، حقیقت بیانی اور انسانیت کی فکر نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ انسانیت کی اصلاح کا کام انجام دیا۔ ان کا انتقال 1961ء میں حیدر آباد میں ہوا۔

شاعری کی ابتدا میں حنیف لکھنوی اور ترقی صاحب سے اصلاح لی پھر اپنی طبیعت کو اپنا رہنما بنایا۔ ایک مدت تک غزل اور نظم کہتے رہے۔

(1)

زنجیر در عرش ہلاتا ہوں میں اللہ غنی! کسے بلاتا ہوں میں
سجدہ کے بہانے دل کی بے تابی سے قدموں پہ کسی کے لوٹ جاتا ہوں میں

(2)

خالق نے جنھیں دیا ہے زر دیتے ہیں زر کیا ہے خدا کی رہ میں گھر دیتے ہیں
اپنا سرما یہ ہے رکوع و سجدہ ساماں نہیں رکھتے ہیں سر دیتے ہیں

(3)

ہم صحبت بے خرد پریشان رہا نا فہم کو سمجھا کے پشیمان رہا
تعلیم سے جاہل کی جہالت نہ گئی نادان کو الٹا بھی تو نادان رہا

(4)

خود اپنی نگاہوں سے گرا جاتا ہوں قطرہ سا زمین میں سما جاتا ہوں
احباب مرے دفن کی کیوں فکر میں ہیں میں شرم گنہ سے خود گڑا جاتا ہوں

(5)

بے خود میں رہوں تو وہ قریں آتا ہے　　پردہ ہی میں وہ پردہ نشیں آتا ہے
وہ جب آتا ہے میں نہیں رہتا　　میں جب رہتا ہوں وہ نہیں آتا ہے

معنی اور اشارے:

درعرش	تختِ الٰہی، وہ جگہ جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے، عرش کا دروازہ
غنی	دولت مند، خدائے اسماء صفاتی میں سے ایک نام، کنایۃً اللہ تعالیٰ
زر	سونا، مراد: مال و دولت
بے خرد	بے عقل، کم فہم
نافہم	ناسمجھ
پشیماں	شرمندہ، نادم
نادان	بیوقوف، ناسمجھ
قریں	قریب، نزدیک، پاس

معروضی سوالات:

1۔ امجد حیدرآبادی کا اصل نام کیا تھا؟

(i) سید احمد حسین (ii) سید انور حسین

(iii) سید اصغر حسین (iv) سید اختر حسین

2۔ امجد حیدرآبادی کب پیدا ہوئے؟

(i) 1886 (ii) 1880

(iii) 1882 (iv) 1890

3۔ امجؔد حیدرآبادی نے دینی تعلیم کہاں حاصل کی؟

(i) جامعہ اشرفیہ (ii) جامعہ رحمانیہ

(iii) جامعہ نظامیہ (iv) جامعہ امجدیہ

4۔ امجؔد حیدرآبادی کس صنف شاعری میں شہرت رکھتے ہیں۔

(i) غزل (ii) نظم

(iii) مرثیہ (iv) رباعی

مختصر ترین سوالات:

1۔ شاعری کی ابتدا میں امجؔد حیدرآبادی نے کس سے اصلاح لی۔

2۔ قیامت صغریٰ کس شاعر کی نظم ہے۔

مختصر سوالات:

1۔ امجؔد حیدرآبادی کی رباعیوں کے موضوعات کیا ہیں؟

2۔ امجؔد حیدرآبادی کی رباعیوں کی خصوصیات بیان کیجئے۔

تفصیلی سوالات:

1۔ صنف رباعی کی تعریف مع مثال سمجھایئے اور رباعی کی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ رباعی کی صنف میں امجؔد کے امتیازات بیان کیجئے۔

7- جدید نظم

عام طور سے نثر کے برعکس لفظ نظم کا استعمال ہوتا ہے اور اس سے شاعری کی تمام اصناف مراد لی جاتی ہے، لیکن اصطلاح شعر میں نظم سے مراد ایک مخصوص صنف ہے جس کے ہر شعر میں ربط و تسلسل ہو اور جو اپنے موضوع کا مکمل طور سے احاطہ کرتی ہو۔ نظم کے ابتدائی نقوش اُردو شاعری کے آغاز سے ہی ملنے شروع ہو جاتے ہیں اور اُردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے یہاں ایسے کلام دستیاب ہیں جن کو نظم کہا جا سکتا ہے لیکن اس عہد میں ان منظومات کو نظم کا نام نہیں دیا گیا۔ نظیرؔ اکبرآبادی کے یہاں بھی نظم کی مثالیں ملتی ہیں، جس کے بنا پر انھیں اردو نظم نگاری کا پیش رو کہا جاتا ہے۔ لیکن اردو میں نظم نگاری کا باضابطہ آغاز انجمنِ پنجاب کے جلسوں سے ہوتا ہے۔ انجمن پنجاب کے زیر اہتمام ہونے مشاعروں میں مصرع طرح کی بجائے مختلف موضوعات دیئے جاتے تھے جس سے نظم نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔ جدید نظم نگاری کی ابتدا 1874ء سے ہوئی۔ جدید نظم کو اعتبار و استحکام بخشنے میں مولانا محمد حسین آزادؔ، مولانا الطاف حسین حالیؔ، علاّمہ شبلیؔ نعمانی، اکبرؔ الہ آبادی، اسمٰعیلؔ میرٹھی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے اس کو ایک تحریک کی شکل دے دی جس سے نظم نگاری کی رفتار میں تیزی آئی۔ ان شعرا کے بعد چکبستؔ، اقبالؔ، سرورؔ جہاں آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، فیض احمد فیضؔ، ن۔م۔ راشد، علی سردارؔ جعفری، میراجیؔ، اخترؔ الایمان، جمیلؔ مظہری وغیرہ نے نظم نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا اور اس صنف میں گوناگوں موضوعات شامل کیے جس کے باعث اس کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ہیئت کے اعتبار سے بھی اس میں نئے نئے تجربے کیے گئے۔

(1)

خواجہ الطاف حسین حالیؔ

[پیدائش 1837ء، وفات 1914ء]

نام الطاف حسین اور حالیؔ تخلص تھا۔ وہ خواجہ ایزد بخش انصاری کے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش 1837ء میں پانی پت، ہریانہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اس کے بعد دلی چلے آئے جہاں عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ 1856ء میں حصار کے کلکٹر کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی لیکن 1857ء کا ہنگامہ برپا ہوا تو پانی پت واپس چلے آئے۔ جب ہنگامہ سرد پڑا تو جہاں گیر آباد کے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ کے بچّوں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ وہ اردو میں شیفتہؔ اور فارسی میں حسرتیؔ تخلص فرماتے تھے۔ اُن کی صحبت میں حالیؔ کا ادبی ذوق پروان چڑھا۔ شیفتہ نے حالیؔ کی ملاقات مرزا غالب سے کرائی اور وہ غالب کے شاگرد ہو گئے۔ غالبؔ کی

وفات کے بعد وہ لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ بک ڈپو میں نوکری کرلی۔ لاہور کی انجمن پنجاب کے مناظرے میں شامل ہوئے اور کئی شہکار نظمیں لکھیں۔ لاہور کے بعد وہ پھر دلی آ گئے اور اینگلوعربک کالج میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ یہیں ان کی ملاقات سرسید سے ہوئی۔ وہ سرسید کے خیالات ونظریات سے کافی متاثر ہوئے اور اُن کی قومی تحریک میں شامل ہو گئے جسے علی گڑھ تحریک کہا جاتا ہے۔ حالؔی کو 1904ء میں ''شمس العلما'' کا خطاب ملا۔ 31 دسمبر 1914ء کو ان کا انتقال اپنے آبائی وطن پانی پت میں ہوا اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔

حالؔی کی شخصیت کئی جہتوں پر مشتمل ہے، وہ شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی۔ دونوں شعبۂ ادب میں انھوں نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انھیں جدید نظم کا امام اور اردو کا پہلا نقاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ انھوں نے سائنٹفک انداز کی سوانح بھی لکھی۔ اُن کی تصانیف میں اردو دیوان، 'مقدمۂ شعروشاعری'، 'مسدس حالی'، 'یادگار غالب'، 'حیات سعدی' اور 'حیات جاوید' قابل ذکر ہیں۔

حالؔی نے اردو شاعری میں ایک انقلاب عظیم برپا کیا۔ انھوں نے شاعری کی قدیم روش چھوڑ کر جدید انداز کی غزلیں اور نظمیں لکھیں، وہ مغربی ادب سے متاثر تھے اور چاہتے تھے کہ اردو میں بھی اس کی پیروی کی جائے۔ وہ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

حالی اب آؤ پیروِی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفؔی و میؔر کر چکے

حالؔی نے اپنی نظموں کو مقصدی آہنگ عطا کیا اور اس کے ذریعے اصلاحی نقطۂ نظر کو فروغ دیا۔ حالؔی کی نظمیں قومی اور وطنی مسائل کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اُن کی زبان سادہ ہے۔ انھوں نے شاعری میں پرتکلف و پرتصنع زبان استعمال کرنے سے پرہیز کیا ہے اس کے علاوہ شاعری کو جھوٹے جذبات وخیالات کی جگہ سچے جذبات وخیالات کا ترجمان بننے پر زور دیا ہے۔ کہتے ہیں:

وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
قبلہ بھی ہو ادھر تو نہ کچھ نماز تو

اقبال مندی کی علامت

الپ ارسلاں سے یہ طغرل نے پوچھا　　کہ قومیں ہیں دنیا میں جو جلوہ فرما
نشاں ان کی اقبال مندی کے ہیں کیا　　کب اقبال مندان کو کہنا ہے زیبا
کہا ملک و دولت ہو ہاتھ ان کے جب تک
جہاں ہو کمر بستہ ساتھ ان کے جب تک

جہاں جائیں وہ سرخ رو ہو کے آئیں　　ظفر ہم عناں ہو جدھر باگ اٹھائیں
نہ بگڑے کبھی کام جو وہ بنائیں　　نہ اکھڑے قدم جس جگہ وہ جمائیں
کریں مس کو گرمس تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہاتھ ڈالیں طلا ہو

ولی عہد کی جب کہ باتیں سنیں یہ　　ہنسا سن کے فرزانۂ دور بیں یہ
کہاں جانِ عم گپ ہے گو دل نشیں یہ　　مگر شرط اقبال ہرگز نہیں یہ
حوادث سہے بن گزارا نہیں یاں
بلندی و پستی سے چارا نہیں یاں

بہم ہے کبھی گاہ برہم ہے محفل　　کٹھن ہے کبھی گاہ آساں ہے منزل
زمانہ کی گردش سے بچنا ہے مشکل　　نہ محفوظ ہیں اس سے مدبر نہ مقبل
بہت یکہ تازوں کو یاں گھرتے دیکھا
سدا شہ سواروں کو یاں گرتے دیکھا

جہاں سود ہے یاں وہاں ہے زیاں بھی   جہاں روشنی ہے وہیں ہے دھواں بھی
سقر بھی ہے یہ خاک واں اور جناں بھی   بہاریں بھی ہیں اس چمن میں خزاں بھی
نکھرتے ہیں جو یاں وہ گد لاتے بھی ہیں
چمکتے ہیں جو یاں وہ گہناتے بھی ہیں

ضعیف اور قوی ارمنی اور عراقی   چکھاتا ہے درو قدح سب کو ساقی
یہ اقبال کی ہے رمق جن میں باقی   یہ سب تلخیاں ان کی ہیں اتفاقی
بلاؤں میں گھر کر نکل جاتے ہیں وہ
ذرا ڈگمگا کر سنبھل جاتے ہیں وہ

نہیں ہوتے نیرنگ گردوں سے حیراں   ہر اک درد کا ڈھونڈھ لیتے ہیں درماں
اٹھاتے نہیں کچھ حوادث سے نقصاں   وہ چونک اٹھتے ہیں دیکھ خواب پریشاں
بھڑکتے ہیں افسردہ ہو کر سوا وہ
پھپکتے ہیں پژمردہ ہوکر سوا وہ

پگھلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر   لگاتے ہیں غوطہ اچھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں دم لے کے چلنے کی خاطر   وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر
سبب کو مرض سے سمجھتے ہیں پہلے
الجھتے ہیں پیچھے سلجھتے ہیں پہلے

معنی اور اشارے:

طغرل	ایران کا بادشاہ
الپ ارسلان	بادشاہ کا ولی عہد
کمر بستہ	آمادہ، کسی کام کی انجام دہی کے لیے تیار ہونا
جلوہ فرما	نمایاں ہونا، نمودار
کیمیا	وہ خاک جس کی رگڑ سے دوسری دھات سونا بن جاتی ہے
طلا	سونا
عم	چچا
دور بیں	عقلمند، دور اندیش
دل نشیں	دل کو لبھانے والا
حوادث	حادثہ کی جمع
سود	نفع
زیاں	نقصان
سقر	دوزخ
جناں	جنت کی جمع
درماں	علاج
دُر	برا، خراب
قدح	مدح کی ضد، بمعنی ہجو، عیب گوئی

معروضی سوالات:

1۔ مولانا حالؔی کی ولادت کب اور کہاں ہوئی ؟

(i) 1841ء آگرہ
(ii) 1837ء پانی پت
(iii) 1831ء حیدرآباد
(iv) 1840ء لکھنؤ

2۔ مولانا حالؔی کو ''شمس العلما'' کا خطاب کب ملا؟

(i) 1900ء میں
(ii) 1895ء میں
(iii) 1904ء میں
(iv) 1919ء میں

3۔ اردو کا پہلا نقاد کس کو کہا گیا ہے؟

(i) حالؔی
(ii) سرسید احمد خاں
(iii) محمد حسین آزاد
(iv) شبلی نعمانی

4۔ مقدمۂ شعروشاعری کس کی تصنیف ہے؟

(i) سرسید
(ii) شبلی
(iii) غالبؔ
(iv) حالؔی

5۔ لفظ 'اقبال' کے معنی کیا ہے؟

(i) بلند
(ii) زمانے کا موافق ہونا
(iii) بہت پاک
(iv) حافظ

مختصر ترین سوالات:

1۔ حالؔی کا انتقال کب ہوا؟

2۔ حالؔی کی ابتدائی تعلیم کہاں ہوئی ؟
3۔ اردو شاعری میں جدید نظم کی شروعات کس نے کی؟
4۔ ''مسدس حالؔی'' کس کی کتاب ہے؟
5۔ حالؔی کی وفات کہاں ہوئی ؟

مختصر سوالات:

1۔ مسدس کی تعریف بیان کیجیے۔
2۔ جہاں جائیں وہ سرخ رو ہو کے آئیں/ ظفر ہم عناں ہو جدھر باگ اٹھائیں
درج بالا شعر کس نظم سے ماخوذ ہے؟ وضاحت کیجیے۔

تفصیلی سوالات:

1۔ حالؔی کے کلام کی خوبیاں بیان کیجئے۔
2۔ حالؔی کے حالات زندگی پر ایک مضمون لکھئے۔
3۔ حالؔی کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجئے۔

(2)

اکبرالہ آبادی

[پیدائش 1846ء، وفات 1921ء]

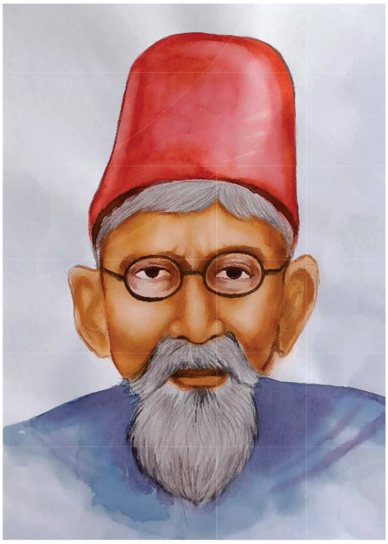

سید اکبر حسین نام اور تخلص اکبر تھا۔ وہ 16/نومبر 1846ء کو الہ آباد کی تحصیل بارہ میں پیدا ہوئے۔ وہ تفضّل حسین کے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش کے کچھ دن بعد اُن کے خاندان کے لوگ داؤدنگر ضلع گیا (بہار) ہجرت کر کے چلے گئے۔ اکبر کی رسمِ بسم اللہ وہیں ہوئی۔ پھر اُن کے خاندان کے لوگ الہ آباد آ کر بس گئے اور ان کے ساتھ اکبر بھی الہ آباد آ گئے۔ یہاں آ کر انھوں نے اپنا داخلہ جمنا مشن اسکول میں کرا لیا۔ اسی دوران 1857ء کی پہلی جنگ آزادی شروع ہو گئی جس کا اثر اکبر کی تعلیم پر بھی پڑا اور اُن کی تعلیم کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اکبر نے بیس برس کی عمر میں مختاری کا امتحان پاس کیا اور نائب تحصیل دار کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ اس کے بعد جج مقرر ہوئے۔ 1898ء میں خان بہادر کا خطاب پایا۔ 9/

دسمبر 1921ء کو الہ آباد میں ان کا انتقال ہوا اور اسی شہر کے کالا ڈانڈا قبرستان میں دفن کیے گئے۔

اکبرؔ ایک فطری شاعر تھے۔ انھوں نے تقریباً دس گیارہ سال کی عمر میں شاعری کرنی شروع کر دی۔ ابتدا میں اپنی شاعری پر وحیدؔ الہ آبادی سے اصلاح لی۔ انھوں نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی اور کثیر تعداد میں غزلیں کہیں۔ اُن کی غزلیں بھی قابل قدر ہیں اور اُن میں ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا برملا اظہار ہوا ہے، لیکن اُن کی شہرت اُن کی نظم نگاری کی وجہ سے ہے۔ اُن کی نظموں میں اصلاحی نقطۂ نظر پایا جاتا ہے۔ انھوں نے طنز وظرافت کا سہارا لیتے ہوئے اپنی نظموں میں نشتریت پیدا کی جس کی وجہ سے اُن کی نظمیں دلوں پر اثر کرتی ہیں۔ اکبرؔ اردو کے سب سے بڑے مزاح نگار شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنی نظموں میں مغربی تہذیب کا مذاق اڑایا ہے اور اپنے دور کے نوجوانوں اور عورتوں کو اس تہذیب سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے ان وجوہات پر بھی روشنی ڈالی ہے جو قوم کی پستی اور زبوں حالی کے لیے ذمے دار تھیں اور جن میں قوم کے لوگ گرفتار تھے۔

لب ساحل اور موج

دور کوہِ لبِ ساحل سے جو گزری اک موج
کوہ نے اس سے کہا تو نے نہ دیکھا مرا اوج

مجھ سے مل کر تجھے جانا تھا برائے دم چند
بولی سالک کبھی کرتے نہیں ساکن کو پسند

ہیں بڑے آپ مگر اپنی جگہ پر ہیں اٹل
اپنی رفتار میں کیا فائدہ ڈالوں میں خلل

ہنس کے اس بحث پہ بولا کسی جانب سے حباب
پوچھیے موج سے ہے بھی اسے رک جانے کی تاب

اپنے بس ہی میں نہیں ہے ، یہ تعلّی کیسی؟
اضطراری ہے روش شان ارادی کیسی؟

بہہ گئی موج یہ کہہ کر کہ میں مغرور نہیں
تجھ میں اے کوہ مگر روشنی طور نہیں

بلبلا ٹوٹ گیا ، کوہ بھی خاموش رہا
وہی حیرت رہی ، دریا کا وہی جوش رہا

معنی اور اشارے:

کوہ	پہاڑ
اوج	بلندی
ساحل	کنارہ
سالک	چلنے والا
ساکن	ٹھہرا ہوا
حباب	بلبلا
شیخی	باتیں بنانا
اضطراری	بے چینی

معروضی سوالات:

1۔ ''لب ساحل اور موج'' کس شاعر کی نظم ہے؟

(i) اقبالؔ (ii) اکبرؔ

(iii) فیضؔ (iv) جوشؔ

2۔ اُردو میں سب سے بڑا طنز و مزاح کا شاعر کس کو مانا جاتا ہے؟

(i) اکبرؔ (ii) میرؔ

(iii) غالبؔ (iv) جوشؔ

3۔ اکبر کب پیدا ہوئے؟

(i) 1845ء | (ii) 1848ء

(iii) 1850ء | (iv) 1855ء

4۔ اکبر کی وفات کہاں ہوئی؟

(i) بنارس | (ii) الہ آباد

(iii) علی گڑھ | (iv) فیض آباد

مختصر سوالات:

1۔ اکبر نے الہ آباد کے کس اسکول میں داخلہ لیا؟

2۔ اکبر مختاری کا امتحان پاس کرنے کے بعد کس عہدے پر فائز ہوئے؟

3۔ اکبر کو کس خطاب سے نوازا گیا؟

4۔ اکبر کا مدفن کہاں ہے؟

مختصر سوالات:

1۔ نظم 'لب ساحل اور موج' کا بنیادی خیال واضح کیجیے۔

2۔ 'سالک کبھی کرتے نہیں ساکن کو پسند' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

3۔ اکبر نے شاعری کی ابتدا کس صنف سے کی؟

تفصیلی سوالات:

1۔ اکبر کی حالات زندگی پر روشنی ڈالئے۔

2۔ نصاب میں شامل نظم کا خلاصہ لکھئے۔

3۔ اکبر کی مزاحیہ شاعری پر ایک نوٹ لکھئے۔

(3)

پنڈت برج نرائن چکبستؔ

[پیدائش 1882ء، وفات 1926ء]

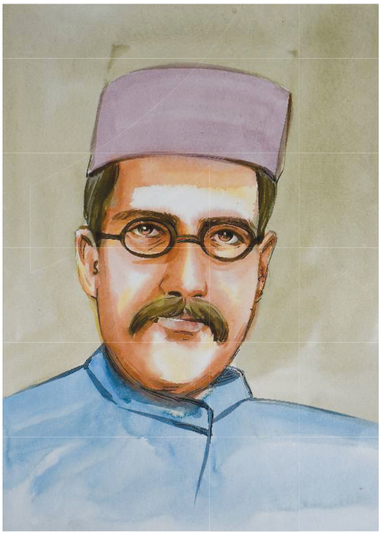

پنڈت برج نرائن چکبستؔ کی ولادت 19 / جنوری 1882ء کو فیض آباد میں ہوئی۔ ان کا تعلق ایک تعلیم یافتہ کشمیری برہمن خاندان سے تھا۔ اُن کے والد پنڈت اودے نرائن چکبست ڈپٹی کلکٹر تھے۔ شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اُن کے والد کا تخلص یقیںؔ تھا۔

چکبستؔ کی طبیعت بچپن ہی سے شاعری کی طرف مائل تھی۔ محض آٹھ نو برس کی عمر سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے کلام پر افضلؔ لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے جو اسیرؔ لکھنوی کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔

چکبستؔ ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے بڑی تعداد میں نظمیں اور غزلیں لکھی ہیں، لیکن اُن کی شہرت نظم

نگاری کی وجہ سے ہے۔ جن شعرا نے اردو نظم کی روایت کو آگے بڑھایا اُن میں ایک اہم نام چکبستؔ کا بھی ہے۔ چکبستؔ کی زبان لکھنو کی صاف ستھری زبان ہے۔ ان کے لب ولہجہ پر انیسؔ کے مراثی کے اثرات نمایاں ہیں۔ انھوں نے اپنی زیادہ تر نظموں میں مسدس کی ہیئت استعمال کی ہے۔ حب الوطنی اُن کی نظموں میں خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اُن کا مجموعۂ کلام 'صبحِ وطن' ہے۔ 12رفروری 1926ء میں رائے بریلی میں ان کی وفات ہوئی۔

شاملِ نصاب نظم ''آصف الدولہ کا امام باڑہ'' چکبستؔ کی معروف نظم ہے جو انھوں نے 1917ء میں لکھی۔ اس میں مذکورہ امام باڑے کی خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

آصف الدولہ کا امام باڑہ

(1)

آصف الدولہ مرحوم کی تعمیر کہن　　جس کی صنعت کا نہیں صفحۂ ہستی پہ جواب
دیکھ سیاح اسے رات کے سنّاٹے میں　　منہ سے اپنے مہ کامل نے جب الٹی ہو نقاب
در و دیوار نظر آتے ہیں کیا صاف و سبک　　سحر کرتی ہے نگاہوں پہ ضیائے مہتاب
یہی ہوتا ہے گماں خاک سے مس اس کو نہیں　　ہے سنبھالے ہوئے دامن میں ہوائے شاداب
یک بہ یک دیدۂ حیراں کو یہ شک ہوتا ہے　　ڈھل کے سانچے میں زمیں پر اتر آیا ہے سحاب
بے خودی کہتی ہے آیا یہ فضا میں کیوں کر　　کسی استاد مصور کا ہے یہ جلوۂ خواب

اک عجب منظرِ دل گیر نظر آتا ہے
دور سے عالمِ تصویر نظر آتا ہے

(2)

شوکت و شان عمارت کی خبر دیتا ہے　　پردۂ شب کے سرکنے پہ سحر کا آغاز
وہ سپیدی سحر نور کی ہلکی ہلکی　　آشیاں چھوڑ کے جب کرتے ہیں طائر پرواز
ایسے عالم میں وہ کہرے سے ابھرنا اُس کا　　جیسے موجوں کے تلاطم میں نمایاں ہو جہاز
ہوتے ہیں گنبدِ مینار فضا میں ظاہر　　بڑھ کے ہوتی ہیں زیارت سے نگاہیں ممتاز

جگمگاتا ہے شعاعوں میں یہ ایوان بلند　　جس کی صنعت کا ہے دنیا میں نرالا انداز
پارۂ چوب کے احساں کی ضرورت نہ رہی　　خاک اور خِشت نے مل کر یہ دکھایا اعجاز
اس کی تعمیر کو آئے نہیں معمار فرنگ　　ہے یہ تہذیب اودھ کے لیے سرمایۂ ناز
بچ گیا خاک کے پردے پہ یہ مٹی کا طلسم　　گو زمانہ کی ہوا اس کے لیے تھی ناساز
اس کے سایہ میں گرا تاج حکومت سر سے　　اس نے دیکھا یہ زمانے کا نشیب اور فراز
مل گئے خاک میں سب اس کے بسانے والے　　کچھ شجرہائے کہن اب ہیں پرانے دم ساز
کیا سرِ شام اداسی کا سماں رہتا ہے　　در و دیوار سے کر جاتی ہے رونقِ پرواز
دھوپ اترتی ہوئی آنکھوں کو یہ دکھلاتی ہے　　دل مجروح کا ہر خشت میں ہے سوز و گداز
جس کے فیضانِ حکومت کا کرشمہ ہے یہ　　اس کے سایہ میں ہے سویا ہوا وہ خلق نواز
اس کی ہمت کی بلندی ہے بلندی اس کی　　اس کے اخلاق کی وسعت کا نہاں اس میں ہے راز
جب زیارت کو محرم میں بشر آتے ہیں　　چاندنی رات میں آتی ہے فلک سے آواز

"بے ادب پا مِنہ ایں جا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہ مَلَک و روضۂ شاہنشاہ است"

معنی اور اشارے:

صنعت	کاریگری
سیاح	سیر کرنے والا
ضیا	روشنی
سحاب	بادل
سحر	صبح
تلاطم	طوفان، موجوں کے تھپیڑے
پارۂ چوب	لکڑی کا ٹکڑا
خشت	اینٹ
کہن	پرانا
مجروح	گھائل
فیضان	فائدہ
فلک	آسمان
مَلک	فرشتہ

معروضی سوالات:

1۔ چکبستؔ کا پورا نام کیا ہے؟

(i) ہری نرائن (ii) برج موہن

(iii) رام نرائن (iv) پنڈت برج نرائن چکبست

2۔ آصف الدولہ کا امام باڑہ کہاں واقع ہے؟

(i) لکھنؤ (ii) دہلی

(iii) آگرہ (iv) لاہور

3۔ 19ر جنوری 1882ء کس شاعر کی تاریخ ولادت ہے؟

(i) اقبالؔ (ii) اکبرؔ

(iii) جوشؔ (iv) چکبستؔ

4۔ چکبستؔ بنیادی طور پر کس صنف کے شاعر ہیں؟

(i) قصیدہ (ii) مرثیہ

(iii) نظم (iv) رباعی

5۔ 'پارۂ چوب' کے کیا معنی ہیں؟

(i) کاریگری (ii) لکڑی کا ٹکڑا

(iii) آسمان (iv) روشنی

مختصر ترین سوالات:

1۔ چکبستؔ کا تعلق کس خاندان سے تھا؟

2۔ چکبستؔ کس مرثیہ نگار سے متاثر تھے؟

3۔ چکبستؔ کے شعری مجموعہ کا نام کیا ہے؟

4۔ آصف الدولہ کا امام باڑہ کہاں واقع ہے؟

مختصر سوالات:

1۔ نظم ''آصف الدولہ کا امام باڑہ'' کا خلاصہ لکھیے۔

2۔ پارہ چوب کے احساں کی ضرورت نہ رہی/ خاک اور خشت نے مل کر یہ دکھایا اعجاز
چکبستؔ کے اس شعر کا معنی واضح کریں۔

تفصیلی سوالات:

1۔ چکبستؔ کی حالات زندگی پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ درج ذیل اشعار کی تشریح اپنے الفاظ میں کریں۔

شوکت و شان عمارت کی خبر دیتا ہے　　پردۂ شب کے سرکنے پہ سحر کا آغاز
وہ سپیدی سحر نور کی ہلکی ہلکی　　آشیاں چھوڑ کے جب کرتے ہیں طائر پرواز
ایسے عالم میں وہ کمرے سے ابھرنا اس کا　　جیسے موجوں کے تلاطم میں نمایاں ہو جہاز

(4)

ڈاکٹر محمد اقبال

[پیدائش 1877ء، وفات 1938ء]

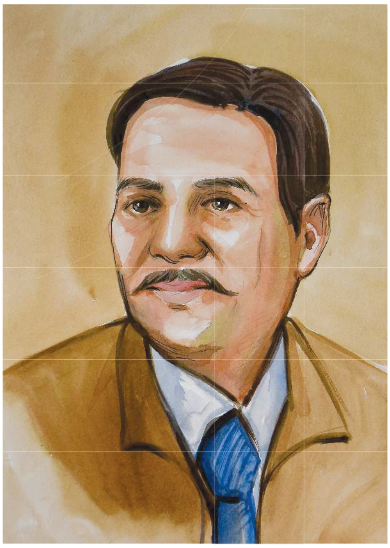

اقبال کے بزرگ برہمن تھے اور کشمیر ان کا وطن تھا۔ اسلام قبول کرنے بعد وہ سیالکوٹ میں آباد ہو گئے۔ اقبال کی ولادت 9/نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ اقبال کے والدین نے ان کی تعلیم وتربیت پر بہت توجہ دی۔

جب اقبال چار سال چار مہینے کے ہوئے تو انھیں دینی تعلیم کے لیے مکتب بھیجا گیا۔ ان کے والد کے دوست جو شاہ صاحب کہلاتے تھے ان کا نام میر حسن تھا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ دینی تعلیم کے ساتھ ہی اردو عربی اور فارسی کی تعلیم بھی دی جائے۔ ان کا داخلہ اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں ہو گیا۔ 1893ء میں میٹرک اور یہیں سے انٹر کا امتحان پاس کیا۔ اس

کے بعد بی۔اے۔کی ڈگری کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔فلسفے میں ایم۔اے۔کیا۔تعلیم کے دوران ان کی ملاقات پروفیسر مسٹر آرنلڈ سے ہوئی۔جن کی صحبت سے انھوں نے خوب فیض اٹھایا۔ 1905ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔اقبالؔ فطری شاعر تھے۔انھوں نے طالب علمی کے زمانے میں ہی شاعری شروع کردی تھی۔ابتدا میں داغؔ کی شاگردی اختیار کی اور بڑے بڑے جلسوں میں نظمیں پڑھنے لگے۔ان کے ابتدائی دور کی غزلوں میں داغؔ دہلوی کا رنگ ہے۔

اقبالؔ ایک عظیم شاعر ہیں۔ان کی شاعری میں فکر وفلسفہ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔انھوں نے حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہوکر قومی و وطنی شاعری بھی کی اور اسلامی عقائد سے متاثر ہوکر ملّی مسائل کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ ان کی شاعری میں ارضیت بھی ہے اور آفاقیت بھی۔اُن کی شاعری میں ''احترام آدم'' کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔اسی کے ساتھ تصوف اور عرفانیات سے متعلق مثبت خیالات بھی اُن کی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔اقبالؔ کی زبان ابتدا میں سلیس اور عام فہم تھی لیکن بعد کے زمانے میں فکری دبازت کی وجہ سے مشکل ہوتی گئی لیکن ان کی نظموں میں شعری عناصر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔

شعاعِ امید

سورج نے دیا اپنی شُعاعوں کو یہ پیغام
دنیا ہے عجب چیز ، کبھی صبح کبھی شام

مدت سے تم آوارہ ہو پنہائے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایّام

نے ریت کے ذرّوں پہ چمکنے میں ہے راحت
نے مثلِ صبا طَوفِ گل و لالہ میں آرام

پھر میری تجلّی کدۂ دل میں سما جاوَ!
چھوڑو چمنستان و بیابان و در و بام

آفاق کے ہر گوشے سے اُٹھتی ہیں شعاعیں
بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش

اک شور ہے مغرب میں اُجالا نہیں ممکن
افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش

مشرق نہیں گو لذّت نظّارہ سے محروم
لیکن صفتِ عالمِ لاہوت ہے خاموش

پھر ہم کو اُسی سینۂ روشن میں چُھپا لے
اے مہر جہاں تاب! نہ کر ہم کو فراموش

اک شوخ کِرن ، شوخ مثال نگہ حور
آرام سے فارغ ، صفتِ جوہر سیماب!

بولی! کہ مجھے رخصت تنویر عطا ہو
جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرّہ جہاں تاب

چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
جب تک نہ اٹھیں خواب سے ، مردانِ گراں خواب

خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اقبالؔ کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب!

چشم مہ و پرویں ہے اسی خاک سے روشن
یہ خاک ، کہ ہے جس کا خزف ریزہ دُرِناب!

اس خاک سے اُٹھّے ہیں وہ غوّاص معانی
جن کے لیے ہر بحرِ پر آشوب ہے پایاب!

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بے گانۂ مضراب!

بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہِ محراب!

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

معنی اور اشارے:

شعاع	کرن
بے مہری	بے مروّتی
صبا	صبح کی پُروا ہوا، مشرقی ہوا
آفاق	دنیا
خورشید	سورج
محروم	ناکام، نامراد
افرنگ	یورپ والے
لاہوت	موت
تنویر	چمک
خاور	مشرق، سورج
اشک	آنسو
سیراب	لبریز
مہ پروین	چاند ستارے
غواص	غوطہ لگانے والا
پرآشوب	فساد سے بھرا ہوا، فتنہ انگیز
حرارت	گرمی
مضراب	ایک قسم کا باجہ، ستار بجانے کا چھلّہ

حذر	بچنا
دبازت	موٹائی

معروضی سوالات:

1۔ اقبالؔ کی ولادت کب ہوئی؟

(i) 1877ء (ii) 1880ء

(iii) 1900ء (iv) 1875ء

2۔ اقبالؔ کہاں پیدا ہوئے؟

(i) سیالکوٹ (ii) کشمیر

(iii) دہلی (iv) لکھنؤ

3۔ اقبالؔ کے بزرگ کہاں کے تھے؟

(i) دہلی (ii) مرادآباد

(iii) کشمیر (iv) آگرہ

4۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے اقبالؔ کہاں گئے؟

(i) انگلستان (ii) چین

(iii) عرب (iv) کابل

5۔ برطانیہ حکومت نے ان کو ''سر'' کا خطاب کب دیا؟

(i) 1923ء (ii) 1920ء

(iii) 1925ء (iv) 1935ء

6۔ اقبالؔ نے شاعری کی شروعات کس صنف سے کی؟

(i) نظم (ii) غزل

(iii) مرثیہ (iv) مثنوی

مختصر ترین سوالات:

1۔ اقبالؔ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

2۔ اقبالؔ کے والد کا کیا نام تھا؟

3۔ اقبالؔ کے گھر کا ماحول کیسا تھا؟

مختصر سوالات:

1۔ اقبالؔ کے مشہور مجموعوں کے نام بتایئے؟

2۔ اقبالؔ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالئے۔

تفصیلی سوالات:

1۔ اقبالؔ کی نظم نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح مع سیاق وسباق کیجیے۔

چشم مہ و پرویں ہے اسی خاک سے روشن
یہ خاک ، کہ ہے جس کا خزف ریزہ دُرِناب!
اس خاک سے اُٹھّے ہیں وہ غوّاص معانی
جن کے لیے ہر بحرِ پر آشوب ہے پایاب!

(5)

جوش ملیح آبادی

[پیدائش 1898ء، وفات 1982ء]

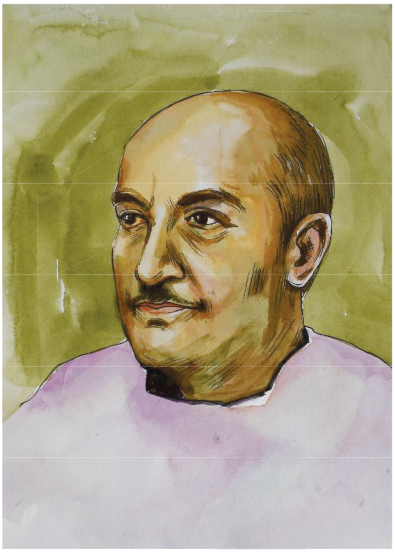

جوشؔ ملیح آبادی کا پورا نام شبیر حسن خاں ہے۔ وہ دسمبر 1898ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ جوشؔ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ بعد میں انھوں نے لکھنؤ، سیتاپور، آگرہ، علی گڑھ کے اسکولوں سے سینئر کیمبرج تک کی تعلیم حاصل کی۔ 1921ء کلکتہ کے سفر کے دوران ان کی ملاقات رابندرناتھ ٹیگور سے ہوئی۔ وہ ٹیگور کی شخصیت اور شاعری سے بہت متاثر ہوئے جس کا اثر ان کی شعری تخلیقات پر بھی نظر آتا ہے۔ 1924ء میں جوشؔ عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ میں ناظرِ ادب کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد دلی منتقل ہو گئے۔ وہاں سے ایک رسالہ 'کلیم' جاری کیا۔ وہ 1956ء میں پاکستان چلے گئے۔ وہاں ترقی اردو بورڈ کراچی میں اردو لغت کی ترتیب کے کام سے وابستہ ہوگئے۔ باقی کی زندگی بھی

وہیں گزاری۔ ان کا انتقال فروری 1982ء میں اسلام آباد پاکستان میں ہوا۔

جوشؔ کو شاعری وراثت میں ملی۔ ان کے پردادا فقیر محمد خاں گویاؔ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ 'بستانِ حکمت' اور 'دیوان گویا' ان کی یادگار تخلیقات ہیں۔ جوشؔ کے دادا محمد احمد خاں اور والد بشیر احمد خاں بشیرؔ بھی اچھے شاعر تھے۔ یہ گھر کے ماحول کا ہی اثر تھا کہ جوشؔ نے اپنا پہلا شعر محض نو برس کی عمر میں کہا تھا۔ ابتدا میں جوشؔ نے عزیز لکھنوی سے اصلاح لی لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک نہ رہا۔

جوشؔ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں، لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے غزل، رباعی اور مرثیہ جیسی اصناف میں بھی طبع آزمائی کی۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام 'روح ادب' 1921ء میں شائع ہوا۔ جوشؔ کے اہم شعری مجموعے 'شعلہ و شبنم'، 'فکر و نشاط'، 'آیات و نغمات'، 'سنبل و سلاسل'، 'سیف و سبو' ہیں۔ ان کی خودنوشت 'یادوں کی برات' اسلوب و بیان کے لحاظ سے انتہائی اہم کتاب ہے۔

جوشؔ کی شاعری کی کئی سطحیں قائم کی جاسکتی ہیں۔ یعنی فطری شاعری، رومانی شاعری، انقلابی شاعری۔ جوشؔ کی ابتدائی نظمیں فطرت کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں۔ وہ مناظر قدرت کی جیتی جاگتی تصویریں کھینچتے ہیں۔ ان کی منظرنگاری پر انیسؔ کا اثر نمایاں ہے۔ جوشؔ کا رومان عشق کو بلندی تک لے جاتا ہے۔ وہ عشق مجازی کے شاعر ہیں۔ ان کا عشق تخیلاتی نہیں ہے۔ ان کی رومانی شاعری انگریزی شاعری کے قریب ہے۔ جوشؔ اپنے دور کے سیاسی حالات سے بھی متاثر تھے۔ انھوں نے تحریک آزادی کی حمایت میں جو نظمیں لکھیں، ان کا انداز احتجاجی ہے۔ انگریزوں کے خلاف غصے کا اظہار بڑے سخت الفاظ میں کیا ہے۔ ان کی سیاسی نظموں پر طرح طرح کے اعتراضات بھی کیے گئے۔ ان کے اس انداز کی وجہ سے ہی ان کو انقلابی شاعر بھی کہا گیا ہے۔

جوشؔ کا انداز بیاں پُر جوش اور جذبات آمیز ہوتا ہے۔ ان کے پاس الفاظ کا خزانہ موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ایک پھول کے مضمون کو سو طرح سے باندھتے ہیں اور دلکش و جاندار انداز سے ایک طلسمی فضا تخلیق کرتے ہیں۔

آواز کی سیڑھیاں

کل جھٹپٹے کے وقت ، کہ تھا زرد آفتاب چھایا ہوا تھا عرصۂ ہستی پہ رنگِ خواب
ظلمت کی بڑھ رہی تھی لگاوٹ فضا کے ساتھ اک راگنی سی کھیل رہی تھی ہوا کے ساتھ
ہر سانس پر شفق کا گریباں تھا چاک چاک تھا اک خلا سا ، وقت کے سینے میں ہولناک
اتنے میں آئی مل کے صدائے طیور سے
بن کے کسی نگار کی آواز دور سے
بے صرفہ جستجو کی کہانی لیے ہوئے اک نواسیر غم کی جوانی لیے ہوئے
ناآزمودہ غم کی جبیں چومتی ہوئی تپتی ہوئی ، لرزتی ہوئی ، جھومتی ہوئی
بیگانہ رسم عیش کی فکرِ فضول سے ملتی ہوئی غروب کی بادِ ملول سے
کچھ سرخیِ شفق میں سیاہی سی آ گئی
میداں پہ اک اُداس خموشی سی چھا گئی
ویرانہ فرط درد سے غمناک ہو گیا اتنے میں کچھ ٹھہر کے ، پھر آئی وہی صدا
نغمے کی نبضِ سَرو مکرّر تپاں ہوئی
گویا ٹھہر کے موج دوبارہ رواں ہوئی

پھر اس کے بعد تیز ہوئی تان دفعتاً اللہ رے زور ، گونج اٹھا گنبدِ کُہن
اور اس کے بعد لحن کا دامن سمٹ گیا
اور یوں صدا کا زور بہ تدریج گھٹ گیا
گویا سفید دودھ سی ، پتھر کی سیڑھیاں پتلی ، سبک، خنک ، متناسب ، گہر فشاں
تیشے سے زیر و بم کے ترش کر سنور گئیں!
ساحل سے تا بہ نہر ، مچلتی اتر گئیں

معنی اور اشارے:

ظلمت	اندھیرا
غروب	ڈوبنا
کہن	پرانا
دفعتاً	اچانک
گہرفشاں	موتی جیسی
زیروبم	اوپر نیچے، اتار چڑھاؤ
ساحل	کنارہ
لحن	آواز

معروضی سوالات:

1۔ جوشؔ کی ولادت کب ہوئی؟

(i) 1890ء (ii) 1892ء

(iii) 1850ء (iv) 1898ء

2۔ شعلہ و شبنم کس شاعر کا شعری مجموعہ ہے؟

(i) جوشؔ (ii) اکبرؔ

(iii) چکبستؔ (iv) اقبالؔ

3۔ جوشؔ کی خودنوشت کا کیا نام ہے؟

(i) یادیں (ii) چوٹیں

(iii) یادوں کا گھر (iv) یادوں کی برات

4۔ جوشؔ کے پردادا کون تھے؟

(i) محمد احمد خاں (ii) بشیر احمد خاں

(iii) فقیر محمد خاں گویا (iv) شبیر حسن خاں

مختصر ترین سوالات:

1۔ جوشؔ کا اصل نام کیا تھا؟

2۔ جوشؔ کے پہلے مجموعہ کلام کا نام لکھئے؟

3۔ جوشؔ کہاں پیدا ہوئے؟

مختصر سوالات:

1۔ 'آواز کی سیڑھیاں' کس کی نظم ہے؟

2۔ جوشؔ کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

تفصیلی سوالات:

1۔ جوشؔ کی نظم نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ جوشؔ کی حالات زندگی پر مختصر نوٹ لکھئے۔

3۔ نصاب میں شامل نظم ''آواز کی سیڑھیاں'' کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھئے۔

(6)

حامد اللہ افسؔر میرٹھی

[پیدائش 1895ء، وفات 1974ء]

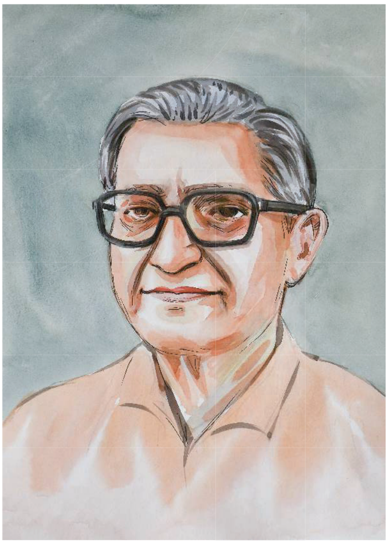

حامد اللہ افسؔر میرٹھی میرٹھ کے ایک ذی علم گھرانے میں 1895ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ 1930ء میں میرٹھ کالج سے بی۔ اے۔ کیا۔ اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی میں داخلہ لیا لیکن بیماری کی وجہ سے امتحان دیے بغیر ہی گھر لوٹ آئے۔ 1947ء میں جبلی کالج لکھنؤ میں اردو کے استاد مقرر ہوئے اور ترقی پا کر پرنسپل کے عہدے تک پہنچے۔ 19/ اپریل 1974ء کو لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

افسؔر میرٹھی ایک بڑے شاعر و ادیب تھے۔ انھوں نے شاعری بھی کی ہے اور افسانے اور تنقیدیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن ان کی شہرت بچوں کے شاعر کی حیثیت سے ہے۔ 'ڈالی کا جوک' اور 'پرچھائیاں' ان کی کہانیوں کے مجموعے اور 'پیام

روح، اور 'جوئے رواں' اُن کی نظموں کے مجموعے ہیں۔ افسؔر میرٹھی نے بچوں کے لیے کل سولہ (16) کتابیں لکھی ہیں۔ افسؔر میرٹھی کی شامل نصاب نظم ''طلوع خورشید نو'' اُن کے شعری مجموعے 'جوئے رواں' سے ماخوذ ہے۔ اس نظم میں شاعر نے نئے عہد میں ہونے والے خوش آئند تغیرات کی بشارت دی ہے۔

طلوع خورشید نو

امن کے مشرق سے پھر ظاہر سحر ہونے کو ہے
آفتابِ عافیت پھر جلوہ گر ہونے کو ہے

عہد گل آنے کو ہے پھولوں کی بارش کے لیے
ختم دورِ برق و بارود و شرر ہونے کو ہے

جلوہ گر ہونے کو ہے صبح بہار آشتی
ظلم سے آزاد کُل نوعِ بشر ہونے کو ہے

ختم ہونے کو ہے وہم پاستاں کی رات اب
آفتابِ فکر فردا جلوہ گر ہونے کو ہے

خضر کے اوصاف ہر رہرو کو بخشے جائیں گے
رہزنوں سے پاک اَب ہر رہ گزر ہونے کو ہے

ظلم و خود غرضی کا پرچم ہو رہا ہے سرنگوں
امن و راحت کا نشاں پیش نظر ہونے کو ہے

زیست کی لذّت سے ہوگی آشنا نوع بشر
یعنی ہر اک تلخ اَب شہد و شکر ہونے کو ہے

فرق مٹ جانے کو ہے انسان اور انسان کا
وحدتِ اقوامِ عالم جلوہ گر ہونے کو ہے

مل رہا ہے خاک میں قصر روایاتِ قدیم
مطلعِ خورشید نو ہر بام و در ہونے کو ہے

معنی اور اشارے:

عافیت	سلامتی، امن
عہد گل	پھولوں کا زمانہ مراد موسم بہار
برق	بجلی
پاستاں	پرانا، قدیم، گزرا ہوا
جلوہ گر	ظاہر
خضر	ایک پیغمبر کا نام
اوصاف	وصف کی جمع، خوبیاں
رہزن	لٹیرا
سرنگوں	سر کے بل، اوندھا، شرمندہ
تلخ	کڑوا، بدمزہ، ناگوار
بام	چھت
مطلع	طلوع ہونے کی جگہ

معروضی سوالات:

1۔ افسر میرٹھی کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

(i) 1970ء آگرہ (ii) 1969ء دہلی

(iii) 1974ء لکھنؤ (iv) 1978ء بنارس

2۔ 'طلوع خورشیدنو' کس شاعر کی نظم ہے؟

(i) جوشؔ (ii) اقبالؔ

(iii) چکبستؔ (iv) افسرؔ میرٹھی

3۔ افسرؔ میرٹھی نے بچوں کے لیے کل کتنی کتابیں لکھیں؟

(i) دو (ii) چار

(iii) دس (iv) سولہ

4۔ نظم 'طلوع خورشیدنو' افسرؔ میرٹھی کے کس شعری مجموعہ سے ماخوذ ہے؟

(i) ڈالی کا جوک (ii) پرچھائیاں

(iii) جوئے رواں (iv) پیام روح

5۔ لفظ 'مشرق' کے معنی کیا ہیں؟

(i) پورب (ii) پچھّم

(iii) اتر (iv) دکھّن

مختصر ترین سوالات:

1۔ افسرؔ میرٹھی کس سن میں پیدا ہوئے؟

2۔ افسرؔ میرٹھی نے کون سی تعلیم ادھوری چھوڑ دی تھی؟

3۔ افسرؔ میرٹھی نے کس شہر میں ملازمت کی؟

مختصر سوالات:

1۔ افسؔر میرٹھی کی کون سی نظم آپ کے نصاب میں شامل ہے؟

2۔ افسؔر میرٹھی کی نظم ’طلوع خورشید نو‘ ان کی کس کتاب سے لی گئی ہے؟

تفصیلی سوالات:

1۔ شاعر اس شعر سے کیا کہنا چاہتا ہے؟

عہد گل آنے کو ہے پھولوں کی بارش کے لیے
ختم دور برق و بارود و شرر ہونے کو ہے

2۔ اس شعر میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

فرق مٹ جانے کو ہے انسان اور انسان کا
وحدت اقوام عالم جلوہ گر ہونے کو ہے

3۔ افسؔر میرٹھی کی حالات زندگی پر مختصر نوٹ لکھیے۔

4۔ افسؔر میرٹھی نے نظم ساتھ ساتھ اور کن اصناف میں لکھا ہے؟

5۔ نظم ’’طلوع خورشید نو‘‘ کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھو۔

(7)

اختر شیرانی

[پیدائش 1905ء، وفات 1948ء]

اختر شیرانی کا نام داؤد خاں اور تخلص اختر تھا۔ اُن کی ولادت 1905ء میں راجستھان کی ٹونک ریاست میں ہوئی۔ وہ مشہور محقق حافظ محمود شیرانی کے فرزند تھے۔ چوں کہ محمود شیرانی ملازمت کی وجہ سے لاہور میں قیام پذیر تھے اس لیے نوجوانی ہی میں اختر شیرانی لاہور چلے گئے، وہیں تعلیم حاصل کی اور وہیں پوری زندگی گزاری۔ لاہور ہی میں 1948ء میں ان کی وفات ہوئی۔

اختر شیرانی کو بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا۔ ابتدائی میں صابر علی شاکر سے اصلاح لی۔ اس کے بعد مشہور استاد شاعر علامہ تاجور نجیب آبادی کے شاگرد ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد صحافت سے وابستہ ہوئے۔

اختر شیرانی کی شاعری رومانیت سے بھری ہوئی ہے۔ وہ اردو کے ایک ممتاز رومانی شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ شیلی، کیٹس اور بائرن کی طرح اُن کی شاعری میں نوجوانوں کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ اختر ستان، شعرستان، پھولوں کے گیت، شہناز، صبح بہار، طیور آوارہ، لالۂ طور، نغمۂ حرم وغیرہ اُن کے شعری مجموعے ہیں۔

نصاب میں شامل نظم ''نغمۂ زندگی'' اختر شیرانی کے شعری مجموعہ ''اختر ستان'' سے منتخب ہے۔

نغمۂ زندگی

بربطِ کائنات پر ، نغمہ سرا ہے زندگی
مست نوا ہے زندگی
وادیِ مہر و ماہ تک بال کُشا ہے زندگی
جلوہ نما ہے زندگی
جس کی کچھ ابتدا نہیں جس کی کچھ انتہا نہیں
جس کو کبھی فنا نہیں
خوابِ گہہ فنا میں وہ موج صدا ہے زندگی
رقصِ صبا ہے زندگی
موسمِ شعلہ بار میں ، دامن کشت زار میں
سینۂ کاشتکار میں
بن کے لہو کا اضطراب ہم ہمہ زا ہے زندگی
نغمہ سرا ہے زندگی
جام ہیں مختلف تو ہوں ، ان میں شراب ایک ہے
بادۂ ناب ایک ہے
سازِ فنا میں مشترک ، ایک صدا ہے زندگی
ایک نوا ہے زندگی
رہ روِ راہِ ارتقا کے لیے اک مقام ہے
راہ زن خرام ہے
لے کے عدم سے تا عدم ایک فضا ہے زندگی
راہ نما ہے زندگی
اس کی ہوائے تُند پر ، تیر رہی ہے کائنات
مستِ شرابِ حسّیات
طائرِ دہر کے لیے ایک فضا ہے زندگی
کیا کہوں کیا ہے زندگی

معنی اور اشارے:

بربط	ایک قسم کا ساز
بال کشا	پر کھولے ہوئے
مہر و ماہ	سورج اور چاند
صدا	آواز
اضطراب	بے قراری، بے چینی
رقص	ناچ
کاشت کار	کسان
ارتقا	ترقی کرنا
راہ زن	لٹیرا
خرام	ناز و ادا کی چال، مٹک والی چال
طائر	چڑیا
دہر	دنیا، زمانہ

معروضی سوالات:

1۔ اختر شیرانی کی ولادت کس سن میں ہوئی؟

(i) 1900 (ii) 1905

(iii) 1910 (iv) 1915

2۔ اختر شیرانی کہاں پیدا ہوئے؟

(i) ٹونک ریاست　(ii) چھترپور ریاست

(iii) بھوپال ریاست　(iv) بیجاپور ریاست

3۔ اختر شیرانی کی شاعری پر کس انگریزی شاعر کا سب سے زیادہ اثر ہے؟

(i) ولیم ورڈس ورتھ　(ii) جان ملٹن

(iii) ٹی ایس ییلیٹ　(iv) جان کیٹس

4۔ 'لالۂ طور' کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(i) محمود شیرانی　(ii) امجد رواں

(iii) اختر شیرانی　(iv) اختر انصاری

5۔ اختر شیرانی کی شاعری کا موضوع کیا ہے؟

(i) رومانیت　(ii) وحدت الوجود

(iii) ترقی پسندی　(iv) جدیدیت

مختصر ترین سوالات:

1۔ اختر کا اصل نام کیا تھا؟

2۔ اختر شیرانی کی وفات کب ہوئی؟

3۔ اختر شیرانی کے والد کا کیا نام تھا؟

مختصر سوالات:

1۔ اختر شیرانی کے طرز نگارش پر ایک مختصر نوٹ لکھئے۔

2۔ اختر شیرانی کے دو شعری مجموعہ کا نام لکھیں۔

تفصیلی سوالات:

1۔ اختر شیرانی کی نظم 'نغمۂ زندگی' کا خلاصہ لکھئے۔

2۔ اختر شیرانی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالئے

ضمیمہ

اصنافِ نثر

داستان

داستان اردو کی قدیم نثری صنف ہے جس کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ ملا وجہی کی کتاب سب رس کو اردو کی پہلی داستان مانا جاتا ہے۔ مافوق الفطرت عناصر اور قصہ در قصہ کی تکنیک صنف داستان کی اہم خوبیاں ہیں۔ اس میں طوالت اور دلچسپی بھی پائی جاتی ہے۔ قصہ مہر افروز دلبر، نوطرز مرصع، عجائب القصص، بوستانِ خیال، داستان امیر حمزہ، طلسم ہوش ربا، باغ و بہار اور فسانۂ عجائب وغیرہ اردو کی قابل ذکر داستانیں ہیں۔ مذکورہ داستانوں میں باغ و بہار سب سے زیادہ مقبول و معروف داستان ہے جس کے مصنف میر امن دہلوی ہیں۔ اس کی مقبولیت کا راز اس کے اسلوب میں پوشیدہ ہے۔

مکتوب نگاری

اردو کی نثری اصناف میں مکتوب کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔مکتوب دراصل ایسی تحریر کا نام ہے جو ایک شخص اپنے کسی عزیز، دوست یا رشتے دار کو لکھتا ہے اور اس کے ذریعے اپنے حالات و کوائف اور اپنے افکار و خیالات سے اُس کو آگاہ کرتا ہے۔ انسانی معاشرے میں اس کی قدیم اور مستحکم روایت ملتی ہے۔ خط لکھنا ہماری معاشرتی ضرورت ہے اور اس ضرورت نے اس کی داغ بیل ڈالی اور ہمارے معاشرے کے افراد و اشخاص نے خطوط کو اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کا وسیلہ بنایا۔ جب ادیبوں نے خطوط نگاری کو اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا تو اس میں علم و ہنر کے ہزاروں گل بوٹے کھل اٹھے اور اس کی حیثیت ایک ادبی صنف کی ہوگئی۔اردو مکتوب نگاری کو باوقار اور محترم بنانے میں مرزا غالب نے اہم کردار ادا کیا۔انھوں نے خطوط نگاری میں اپنے جوہرِ فن دکھاتے ہوئے جدت پیدا کی جس کی وجہ سے خطوط کو بہ نظرِ استحسان دیکھا جانے لگا۔اُن کے خطوط کے مجموعے عودِ ہندی اور اردوئے معلّٰی ہیں جو اپنے اسلوب نگاری اور مواد کے اعتبار سے مکتوب نگاری کی راہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غالب کے علاوہ سرسید، حالی، محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، شبلی نعمانی وغیرہ نے اس صنف کی روایت کو استحکام بخشا۔مکتوب نگاری کی تاریخ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط بھی اہم مقام رکھتے ہیں۔ان کے خطوط کا مجموعہ غبار خاطر ہے جو اپنی ادبیت، علمیت اور اسلوب نگارش کی وجہ سے کافی مقبول ہے۔ ان کے علاوہ امیر مینائی، اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، عبدالماجد دریابادی، صفیہ اختر، فیض احمد فیض وغیرہ نے بھی معیار واقدار کے لحاظ سے قابل قدر خطوط لکھے ہیں اور جن کے مجموعے موجود ہیں۔

تذکرہ

تذکرہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ذکر کرنا، یاد کرنا، یادداشت، یادگار وغیرہ کے ہیں۔ شعرا کے حالات جو کتابی صورت میں مرتب کیے جاتے تھے، اصطلاح ادب میں تذکرہ کہا جاتا ہے۔ اردو تنقید کے ابتدائی نقوش تذکرے کی صورت ہی میں موجود ہیں۔ تذکرے میں عام طور پر مشمولہ شعرا کو حرف تہجی کے اعتبار سے جگہ دی جاتی ہے۔ میر تقی میر کی کتاب نکات الشعرا کو اردو کا پہلا تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے جس کی زبان فارسی ہے۔ نکات الشعرا کے علاوہ گلشن گفتار، تحفۃ الشعرا، مخزن نکات، طبقات الشعرا، چمنستان الشعرا، عیارالشعرا، گلشن ہند، تذکرۂ ہندی، ریاض الفصحا، مجموعۂ نغز، گلشن بے خار وغیرہ اردو شعرا کے قابل ذکر تذکرہ ہیں۔ جن میں شعرا کی شخصیت کے بیان کے ساتھ ساتھ کلام پر اظہار خیال اور تنقید بھی ملتی ہے۔

تنقید

لغت کے اعتبار سے تنقید کا مفہوم اچھے بُرے کی پہچان کرنا ہے۔ اصطلاح ادب میں تنقید سے مُراد کسی فن پارے کا بغور مطالعہ کر کے اس سے متعلق اپنی رائے دینا ہے۔ تنقیدی رائے منطق اور استدلال پر مبنی ہوا کرتی ہے، اس لیے اس کی علمی اور ادبی حیثیت مسلم ہے۔ یوں تو اردو میں اس کی روایت قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ شعر کے دواوین میں ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن میں اُن کے تنقیدی شعور کی بازگشت سنائی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں تذکروں میں بھی تنقیدی شعور کے نقوش ملتے ہیں، لیکن چوں کہ وہ نقوش اتنے غیر واضح اور مبہم ہیں کہ اُن پر مکمل تنقید کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اردو میں باضابطہ تنقید نگاری کی ابتدا حالی کی تصنیف مقدمۂ شعر وشاعری سے ہوتی ہے جس میں انھوں نے شعر وشاعری کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اچھے برے شعر کی خوبیوں اور خامیوں کی بھی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالی کے بعد نواب امداد امام اثر نے کاشف الحقائق میں نظری اور عملی تنقید کے نمونے پیش کیے۔ شبلی نے بھی اس صنف ادب کو استحکام بخشا۔ اُن کی کتاب موازنۂ انیس ودبیر اردو کی تقابلی تنقید میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ آل احمد سرور، مجنوں گورکھپوری، احتشام حسین، ممتاز حسین، کلیم الدین احمد، حسن عسکری، شمس الرحمٰن فاروقی، وہاب اشرفی، لطف الرحمٰن، گوپی چند نارنگ، سید محمد عقیل رضوی، وارث علوی، علی احمد فاطمی وغیرہ نے تنقید نگاری کے سفر کو آگے بڑھایا۔ یہ سفر ابھی بھی جاری ہے۔

مضمون

مضمون ادب کی وہ نثری صنف ہے جس میں کسی عنوان کے عموماً تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ تسلسل، روانی اور بیان کی شگفتگی کو ایک مضمون کے لیے لازمی تصور کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ جامعیت بھی ضروری ہے، کیوں کہ اس کے بغیر مضمون میں بکھراؤ پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ مضمون نگاری کے لیے موضوعات کی تحدید بھی نہیں یعنی کسی بھی موضوع پر مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس صنف کے اندر بے پناہ وسعت موجود ہے۔

اردو میں مضمون نگاری کا باضابطہ آغاز تہذیب الاخلاق سے ہوا جس میں سرسید کے علاوہ حالی، شبلی اور دیگر مشاہیر ادب کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کے بعد یہ صنف ترقی کرتی گئی اور بے شمار ادیبوں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی۔

خاکہ نگاری

خاکہ اردو کی اہم نثری صنف ہے جس میں کسی شخص سے متعلق حقیقی عکس پیش کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی سوانحی مضمون نہیں ہوتا کہ اس میں شخصیت کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے اور نہ ہی محض تاثراتی تحریر کے صرف کوئی مصنف کسی شخصیت کے تعلق سے اپنے تاثرات کا اظہار کردے بلکہ خاکہ ایسی تحریر کا نام ہے جس میں کسی شخص کی زندگی کے کچھ واقعات، اس کی سیرت کے چند پہلو، اس کے طبیعت و مزاج کے چند نقوش کو تاثراتی انداز میں اس طرح ابھارا جاتا ہے کہ اس سے مذکورہ شخص کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں کے سامنے جلوہ ریز ہو جائے اردو میں خاکہ نگاری کے ابتدائی نمونے 'آب حیات' میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں، لیکن اس کا باضابطہ آغاز فرت اللہ بیگ سے ہوتا ہے، انھوں نے ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی کے خاکے بڑے دلچسپ انداز میں تحریر فرمائے ہیں۔ اُن کے علاوہ عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر عابد حسین، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر اعجاز حسین، محمد طفیل یوسف ناظم وغیرہ نے بہترین خاکے لکھے ہیں۔

قواعد

Grammar

علم بیان:

علم بیان کے معنی واضح کرنا اور روشن کرنا کے ہیں۔علم بیان سے مراد وہ علم ہے جو یہ ظاہر کرے کہ کسی مضمون یا معنی کو ادا کرنے کے لیے کون کون سے نت نئے انداز استعمال کئے جاسکتے ہیں۔یعنی کس بات کو کس طرح مختلف طریقوں سے بیان کیا جاسکتا ہے تا کہ جو بات بیان کی جارہی ہے اس میں زور اور اثر پیدا ہو جائے اور ایک معنی دوسرے سے زیادہ واضح اور دل کش ہو۔یعنی ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے متنوع پیرائے بیان کا استعمال کرنا،علم بیان کہلاتا ہے۔علم بیان وہ اصطلاح ہے جس کے ذریعے کسی واقعہ، خیال یا کیفیت کی سچی تصویر پیش کی جائے اور قاری فوراً بیان کرنے والے کی بات کی تہہ تک پہنچ جائے اور اس طرح ابلاغ و ترسیل کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔بات میں دلچسپی اور تاثر پیدا ہونے کے ساتھ جدت بھی پیدا ہو جائے۔

علم بیان کے بنیادی طور پر چار اقسام ہیں۔

ا۔تشبیہ ۲۔استعارہ ۳۔مجاز مرسل ۴۔کنایہ

تشبیہ کا مجاز کے ساتھ خاص تعلق ہے، کیوں کہ مجاز کی ایک قسم جسے استعارہ کہتے ہیں،تشبیہ ہی سے پیدا

ہوتی ہے۔

مجاز میں حقیقی اور مجازی معنوں کے درمیان کوئی رشتہ ضرور ہوتا ہے اگر یہ رشتہ تشبیہ کا ہے تو ایسے مجاز کو استعارہ کہتے ہیں۔

اگر لغوی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا رشتہ ہے تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔

اگر کسی جگہ مجاز کے ساتھ اصل معنی بھی مراد لیے جاسکیں تو ایسے مجاز کو کنایہ کہتے ہیں۔

تشبیہ:- تشبیہ کے معنی باہمی مشابہت، جب کسی مشابہت کے باعث ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دیا جائے، تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔

جس چیز کو تشبیہ دی جائے، اسے ''مشبہ'' اور جس چیز سے تشبیہ دی جائے، اسے ''مشبہ بہ'' کہتے ہیں۔ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مل کر ''طرفین تشبیہ'' کہلاتے ہیں اور اس مشترک وصف کو جس کی بنیاد پر تشبیہ دی جائے۔ اسے ''وجہ شبہ'' کہتے ہیں۔

مثال:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

استعارہ:- استعارہ کے لغوی معنی ہیں مستعار لینا۔ اصطلاح میں جب کوئی لفظ حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق موجود ہو، اسے استعارہ کہتے ہیں۔

مثال:

ہیں یاد وہ بے مثال آنکھیں

کیا ہیں تری وہ غزال آنکھیں
کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

مجاز مرسل:- جب لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ ان کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق نہ ہو بلکہ اس میں کوئی اور تعلق پایا جائے، اسے مجاز مرسل کہتے ہیں:

مثال:

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگِ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اس کی متعدد قسمیں ہیں۔

کل کہہ کر جز مراد لینا۔

مثال:

جب ہاتھ اس کی نبض پہ رکھا طبیب نے
محسوس یہ کیا کہ بدن میں لگی ہے آگ

کنایہ:- کنایہ کے معنی ہیں پوشیدہ بات۔ اس میں استعمال کئے جا رہے الفاظ اپنے مروجہ لغوی معنی سے علیحدہ مفہوم میں مستعمل ہوتے ہیں۔ لیکن اس التزام کے ساتھ کہ ان کے لغوی معنی بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ کنایہ کہلاتا ہے۔

مثال:

داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب
ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا

علم بدیع:

علم بدیع:- اس کے لفظی معنی کلام میں ندرت پیدا کرنا، کوئی اچھوتی بات کرنا یا زاویہ پیدا کرنے کے ہیں۔ علم بدیع میں الفاظ کے معنوی اور صوری حسن اور ان طریقہ ہائے استعمال کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کے ذریعے کلام کی معنوی یا ظاہری خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لفظی خوبیوں کو صنائع لفظی اور معنوی خوبیوں کو صنائع معنوی کہتے ہیں۔

صنائع لفظی:- صنعت قلب، سیاقتہ الاعداد، ترصیع، تنسیق الصفات، صنعت التزام، صنعت تجنیس وغیرہ۔

صنائع معنوی: صنعت حسن تعلیل، لف ونشر، تضاد، سوال وجواب، مراعات النظیر، تلمیح، مبالغہ، تجاہل عارفانہ، صنعت لف ونشر، ادماج، صنعت ایہام، صنعت تعجّب وغیرہ۔

صنعت قلب:- دونوں لفظوں کے حروف ترتیب میں یکساں ہوں مگر حروف کی تقدیم وتاخیر میں اس طرح فرق کیا جائے جو حروف پہلے میں مقدم ہو وہ دوسرے میں مؤخر ہو۔

مثال:

وصف اس صرصر شیم کا کوئی لکھے یا پڑھے
ذہن دوڑے صورت رفرف زباں فرفر چلے

سیاقتہ الاعداد:- کسی شعر میں اعداد کے لانے کے التزام کو سیاقتہ الاعداد کہتے ہیں۔

کچھ تری بات کا ثبات نہیں
ایک ہاں ہے تو پانچ سات نہیں

ترصیع: جب کسی شعر کے دونوں مصرعوں کے الفاظ بالترتیب ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں، ترصیع کہلاتا ہے۔

مثال:

اے شہنشاہ فلک منظر و بے مثل ونظیر
اے جہاندار کرم شیوۂ و بے شبہ و عدیل

ایہام:- ایہام کے لفظی معنی وہم میں پڑنا۔ جب کسی شعر میں ایسے لفظ کے دو معنی ہوں، ایک قریب کے، دوسرے بعید

کے، قاری کا ذہن معنی قریب کی طرف چلا جاتا ہے۔مگر شاعر کی مراد معنی بعید سے ہوتی ہے۔

مثال:

میکش کو ہوس ایاغ کی ہے
پروانے کو لو چراغ کی ہے

حسن تعلیل:- تعلیل کے معنی ہیں وجہ بیان کرنا۔ جب اصل وجہ کے بجائے شاعرانہ وجہ بیان کیا جائے، تو اسے حسن تعلیل کہتے ہیں۔

مثلاً:

بلند سبزۂ ساحل چڑھا ہوا دریا
پئے زیارت مولا بڑھا ہوا دریا
بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں ہے آتا
کوئی بے تاب تہِ خاک تڑپتا ہوگا

لف ونشر:- لف ونشر کے معنی ہیں لپیٹنے اور پھیلانے کے ہیں۔اصطلاح میں مطلب یہ ہے کہ پہلے چیزیں ایک ترتیب سے بیان کی جائیں، اس کے بعد وہی چیزیں یا اس کی مناسبت اسی ترتیب یا دوسری ترتیب سے پھر بیان کئے جائیں اگر دونوں مصرعوں میں ایک ہی ترتیب ہو تو اسے لف ونشر مرتب کہتے ہیں، اگر ترتیب ایک نہ ہو تو اسے لف ونشر غیر مرتب کہتے ہیں۔

مثال(لف ونشر مرتب):

ابرو۱ نے مژہ۲ نے نگہ۳ یار نے یارو
بے رتبہ کیا تیغ۱ کو خنجر۲ کو سنان۳ کو

مثال (لف ونشر غیر مرتب)

کبھی جو زلف[۱] اٹھا دے تو منہ[۲] نظر آوے
اسی امید پہ گزری ہے صبح[۲] و شام[۱] مری

تضاد:- اسے طباق بھی کہتے ہیں۔ شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال ایک ساتھ کیا جائے جس میں بہ اعتبار معنی تضاد پایا جائے۔

مثال:

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا
آتا نہیں خیال عذاب و ثواب کا
کیا حال پوچھنے چلے عہدِ شباب کا

سوال و جواب:- شعر میں سوال و جواب کے ذریعہ مکالمہ کی صورت پیدا کرنا۔

مثال:

پوچھا کہ طلب ، کہا قناعت
پوچھا کہ سبب ، کہا کہ قسمت

تجنیس:- ایسے دو لفظ جو صورت یا تلفظ کے اعتبار سے مشابہ ہوں، مگر ان کے معنی مختلف ہوں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

تجنیس تام: ایسے دو لفظ جو ہر صورت میں (انواع، اعداد، ترتیب اور حرکات وسکنات) یکساں اور مشابہ ہوں۔

مثال:

ذوقؔ کے ساتھ قدح ، ذوق سے پینا بھر کے

تجنیس مرکب: جب تجنیس کے دو لفظوں میں ایک مفرد دوسرا مرکب ہو تو اسے تجنیس مرکب کہتے ہیں۔

مثال:

قاتل نے لگایا نہ کبھی زخم پہ مرہم
حسرت یہ رہی جی کی ہی جی میں گئے مرہم

پہلا مرہم مفرد ہے یعنی دوا۔ جب کہ دوسرا مرہم مرکب یعنی ہم مر گئے۔

تجنیس محرف: تجنیس کے دونوں لفظ ہمہ وجوہ مشابہ ہوں، لیکن صرف حرکات وسکنات میں فرق ہو۔

مثال:

گلے سے لگتے ہی جتنے گِلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں ہم کو شکایتیں کیا کیا

تجنیس ناقص وزائد: جب تجنیس کے دو لفظوں میں صرف ایک حرف کی کمی بیشی ہو جائے۔

مثال:

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو
مہرباں بات ہے نبات نہیں

مراعات النظیر: اس کی تعریف یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ جمع کیے جائیں جن کے معنی میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک نسبت واقع ہو مگر یہ نسبت تضاد و تقابل نہ ہو۔

مثال:

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

تلمیح: کلام میں کسی مشہور تاریخی واقعہ، قصہ یا مسئلے یا قرآنی آیات کی طرف اشارہ کرنا، تلمیح کہلاتا ہے۔

مثال:

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں جو سیر کروں کوہِ طور کا

مبالغہ: کسی چیز یا شخص کی تعریف یا مذمت اس حد تک کرنا کہ سننے والے کو یہ گمان ہو کہ اس وصف یا ذم کا کوئی اور مرتبہ باقی نہ رہا۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ تبلیغ ۲۔ اغراق ۳۔ غلو

۱۔ تبلیغ: جب کوئی بات عقل و عادت دونوں کے نزدیک ممکن ہو تو اسے تبلیغ کہتے ہیں۔

مثال:

پہنچے ہم آرزوے وصل میں نزدیک بہ مرگ
سوجھی ہے شکل ملاقات بہت دور ہمیں

۲۔ اغراق: جب کسی بات کا ہو جانا عقل میں تو آتا ہے مگر عادت کے لحاظ سے ممکن نہیں ہوتا۔

مثال:

گرگ نے دورِ عدل میں اُس کے
سیکھ لی راہ و رسمِ چوپائی

۳۔ غلو: جس بات کا دعویٰ کیا گیا ہو وہ عقل اور عادت دونوں اعتبار سے ممکن نہ ہو۔

آج پھر یاد آ گئے کچھ بیتے دن
آج پھر آنکھوں سے دریا بہہ گیا

تجاہل عارفانہ:- اس کے لغوی معنی جان بوجھ کر انجان بننے کے ہیں یعنی کسی چیز کی نسبت باوجود علم کے اپنی ناواقفیت ظاہر کرنا، تجاہل عارفانہ کہلاتا ہے۔

مثال:

لطف اس کے بدن کا کیا کہوں پر
کیا جانیے جان ہے کہ تن ہے

تنسیق الصفات:- کسی شخص یا چیز کا ذکر اس کی صفات کے ساتھ کیا جائے اور ان صفات کا تعلق خواہ اس کی خوبی سے ہو یا برائی سے۔

مثال:

بوسہ لیتا ہے جو منہ چڑھ کے برابر گیسو
کتنا گستاخ ہے بے ہودہ ہے خود سر گیسو

ادماج:- شعر میں ایسے الفاظ اور تراکیب کا استعمال کرنا جن سے مجموعی طور پر دو معنی یا دو مفہوم پیدا ہوتے ہوں۔ اور دونوں ہی اپنی جگہ درست، صاف اور واضح ہوں۔

مثال:

کیوں کر اس بُت سے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے باد پیمائی

ایہام تضاد:- کلام میں ایسے دو لفظ جمع کئے جائیں جن کے ایک معنی میں تو باہم تضاد و تقابل نہ ہو، لیکن معنی حقیقی کے اعتبار سے تضاد پایا جائے۔

لکھ کر زمیں پہ نام ہمارا مٹا دیا
ان کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا